کرنیکے لئے ایک عجیب فتوے ان لوگوں نے نکال لیا ہے۔ اور صاحب رقعہ مزورہ ابن بابویہ نے اس فتوے کو امام صاحب الزمان سے منسوب کیا ہے کہ یہ کنیزیں سب کی سب امام کی ملک ہیں۔ اور آئمہ اپنی کنیزوں کو اپنے شیعوں پر تحلیل فرماتے تھے۔ پس اس حیلہ سے جہاد فاسد میں اسیر کردہ کنیزوں سے جماع کرنا شیعوں کو درست ہے۔ سبحان اللہ! یہ کیسے گراں الفاظ ہیں۔ کہ آسمان اور زمین انکی ثقل و گرانی سے لرزتے ہیں۔ کمال بیحیائی اور بیجیائی سے انکو اپنی کتب فقہیہ میں جو دین وایمان کی تنقیح کا باعث ہیں۔ درج کرتے ہیں۔ اور جب اہلسنت انکے مقابلہ میں کہتے ہیں۔ کہ حضرت امیر نے خولہ بنت حنفیہ کو جو خلیفہ اوّل کے عہد میں خالد بن ولید کے ہاتھ میں اسیر ہوکر آئی تھی۔ اپنے تصرف میں لیا اور محمد بن حنفیہ اس کے شکم سے پیدا ہوئے۔ پس اگر اسوقت کا جہاد اور اُس خلیفہ کی تقسیم صحیح اور درست نہ تھی۔ حضرت امیر کیونکر اسپر تصرف کرتے۔ آسکے جواب میں کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحیح روایت میں آیا ہے۔ کہ حضرت امیر نے اُسکو اعتاق فرمایا تھا۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ اعتاق ملکیت کے بغیر متصور نہیں ہوسکتا۔ پس اوّل مالک ہوئے پھر اعتاق کیا۔ اور اعتاق بھی تصرف کی ایک نوع ہے۔ اور اسی سے مدعا ثابت ہوتا ہے۔ انتہی کلامہ۔

مصنف کا یہ کلام بے نظام چند وجہوں سے مختل اور مردود ہے۔

جواب باصواب **وجہ اوّل**۔ یہ کہ اس مسئلہ میں مذہب امامیہ کی تقریر اور بیان کرنے میں خبط کیا ہے۔ خبط کی ایک صورت یہ ہے کہ مصنف نے یہ گمان کیا ہے۔ کہ امامیہ کے نزدیک مطلقاً جہاد میں امام کی اجازت شرط ہے۔ حالانکہ یہ بات ممنوع اور باطل ہے۔ کیونکہ جہاد کی چند قسمیں ہیں۔ (۱) کفار سے ابتداءً لڑائی کرنا (۲) ان کافروں سے لڑنا جو بیضۂ اسلام پر چڑھ آئیں۔ اور مسلمانوں کے علاقہ پر لشکر کشی کریں۔ اور ان سے اسلام کو صدمہ پہنچے۔ دوسری قسم میں امام کی اجازت شرط نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قسم مطلقاً ہر اُس شخص پر واجب ہے۔ جو اُنکے دفعیہ پر قادر ہو۔ عورت مرد تندرست بیمار غلام آزاد بینا نابینا سب اس تکلیف میں برابر ہیں۔ اور پہلی قسم میں امام کے موجود ہونیکی شرط ہونے اور قسم دوم میں اسکی موجودگی کی شرط نہ ہونیکی وجہ یہ ہے۔ کہ اسلام کیطرف دعوت کرنا امام کا کام اور اسکی سنت ہے۔ اور حملہ آور کا دفعیہ ہر مکلف پر واجب ہے۔ پس قسم اول میں امام کا موجود ہونا شرط ہے۔ برخلاف قسم دوم کے کہ اسمیں یہ شرط نہیں ہے۔ شرح لمعہ میں فرماتے ہیں وهو اقسام جهاد المشركين ابتداء لدعائهم الى الاسلام وجهاد من صال على المسلمين من الكفار بحيث يخافون استيلاءهم على بلادهم واخذ ما لهم وما اشبهه وان قل ويجب على الكفاية بحسب الحاجة بسبب كثرة المشركين وقلتهم وضعفهم وقوتهم واقله مرة في كل عام بشرط الامام العادل ونائبه الخاص وهو المنصوب للجهاد وهجوم عدو والمسلمين يخشى منه على بيضة الاسلام فيجب حينئذ بغير اذن الامام ونائبه فان عجز وجب على من يليه مساعدته فان عجز الجميع وجب على من

والدہ محمد بن حنفیہ کی طرف اشارہ

اقسام جہاد اور ان کے احکام

صفحہ ۱۸۱

AsliAhleSunnet.com

بعد ونیا اکد علی الاقرب فالاقرب کفایۃ ویجب فی من یجب علیہ الجہاد بالمعنی الاول البلوغ والعقل والحریۃ والبصر والسلامۃ من المرض والفقر فی الجہاد بالمعنی الاول واما الثانی فیجب الدفع علی القادر سواء الذکر والانثی والسلیم والاعمی والمریض والعبد وغیرہم (جہاد کی چند قسمیں ہیں۔ (۱) مشرکوں سے ابتداءً جہاد کرنا۔ تاکہ انکو اسلام کیطرف دعوت کیجائے۔ (۲) ان کافروں سے جہاد کرنا جو مسلمانوں پر حملہ آور ہوں کہ۔ اور یہ خوف ہو۔ کہ وہ مسلمانوں کے علاقوں پر غالب ہو جائیں گے۔ اور ان کے مالوں وغیرہ کو لے لینگے۔ خواہ ان مالوں وغیرہ کی مقدار کم ہی ہو۔ اور جہاد مشرکونکی کثرت اور قلت اور اُنکے ضعف اور قوت کی رُو سے حسب ضرورت مسلمانوں پر واجب کفائی ہے۔ اور وہ کم از کم سال میں ایکدفعہ ہونا چاہیئے بشرطیکہ امام عادل اور اس کا نائب خاص جس کو جہاد کیلئے نصب کیا گیا ہے۔ موجود ہو یا دشمن مسلمانوں پر چڑھ آئے جس سے بیضہ اسلامی کو صدمہ پہنچنے کا ڈر ہو پس اسوقت امام اور اسکے نائب کی اجازت کے بغیر ہی واجب ہے پس اگر وہ عاجز ہوں۔ تو انکے قریب والوں پر انکی مدد کرنا واجب ہے اور اگر یہ سب اس سے عاجز ہو جائیں۔ تو دور کے رہنے والوں پر انکی امداد واجب ہے۔ اور اقرب فالاقرب کے لحاظ سے واجب کفائی تاکیدی ہے اور جن لوگوں پر پہلی قسم کا جہاد واجب ہو۔ ان کا بالغ عاقل آزاد صاحب بصر ہونا اور بیماری، لنگڑاپن اور فقیری سے سلامت رہنا پہلے قسم کے جہاد میں واجب ہے۔ اور دوسری قسم کے جہاد میں خواہ وہ مرد ہو یا عورت تندرست ہو یا بیمار۔ بینا ہو یا نابینا غلام ہو یا آزاد وغیرہ وغیرہ جو شخص بھی دشمنوں کے دفعیہ پر قادر ہو۔ اسپر انکا دفع کرنا واجب ہے) پس بعض قسم کے جہاد میں کہ جہاد ابتدائی ہے۔ وجود امام کی شرط سے الجہاد ماض الی یوم القیمۃ اور اس قسم کے اور نصوص کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ شرط مذکور سے بعض وقتوں میں جہاد کی بعض افراد کی نفی لازم آتی ہے۔ اور خاص چیز کے نفی کرنیسے عام چیز کی نفی لازم نہیں آتی۔

وجہ دوم ۔ یہ کہ مصنف کے قول "آیۂ یجاهدون فی سبیل اللہ الخ خلیفہ اوّل کے رفیقوں کے حق میں ہے۔ اور ستدعون الی قوم الآیہ خلیفہ ثانی کے لشکروں کے حق میں ہے"۔ کا جواب ابواب سابقہ میں نہایت تفصیل اور تشریح کیساتھ بیان کر چکے ہیں۔ جو حضرات چاہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

تحلیل جواری پر طعن کا اشارہ

وجہ سوم ۔ یہ کہ تحلیل جواری (کنیزوں کا حلال کرنا) کے مسئلہ کو ایک امر عظیم جاننا وہم غلط کار کے استبعاد سے پیدا ہوا ہے۔ ورنہ اگر کوئی شخص انصاف کی آنکھ سے اس مسئلہ میں غور کرے۔ تو اس پر صاف ظاہر اور منکشف ہو جاتا ہے۔ اسمیں کسی قسم کی قباحت اور تشنیع نہیں ہے۔ کیونکہ بادشاہان عالیشان اور اُمرائے بلند مکان اپنے غلاموں اور ملازموں کو لونڈیاں اور باندیاں عطا فرماتے ہیں۔ اور انکے عقد نکاح میں لاتے ہیں۔ اور عرف میں کوئی شخص اس بات کو بُری نظر سے نہیں دیکھتا۔ جناب سرور کائنات علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام

AsliAhleSunnet.com

نے ماریہ قبطیہ کی بہن شیریں کو جسکو مقوقس قبطی بادشاہ مصر نے پیشکش اور ہدیہ کے طور پر اس سرور عالم صلوۃ اللہ وسلامہ علیہ وآلہ کی خدمت میں بھیجا تھا حسان بن ثابت کو ہبہ فرمایا۔ کن بذالک سندا یہی سند کافی ہے المختصر امامیہ اس امر کے قائل ہیں۔ کہ امام علیہ السلام نے کنیزوں کو جو آپکی ملک تھیں اپنے شیعوں کو ہبہ فرمایا اور امام کے ہبہ فرمانے اور اذن دینے کیوجہ سے امام کی ملک سے نکلکر شیعوں کی ملک میں آ گئیں۔ اس قول میں کسی قسم کی قباحت اور برائی نہیں ہے۔ فاضل مصنف نے غلط فہمی کیوجہ سے خبط کیا ہے۔ اور زعم فرمایا ہے کہ امامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ جواری (کنیزیں) امام کی ملک میں ہیں امام علیہ السلام نے انکی فروج کو شیعوں پر حلال کر دیا ہے۔ یہ بات محض افترا اور بالکل جھوٹ ہے چنانچہ کتب شیعہ اسپر شاہد اور ناطق ہیں۔

وجہ چہارم۔ یہ کہ مصنف نے اہل سنت کے اعتراض کا جو جواب شیعوں کی طرف سے ذکر کیا ہے۔ وہ محض افترا اور سفید جھوٹ ہے۔ امامیہ کی کتب معتبرہ میں اسکا کہیں نشان تک بھی موجود نہیں ہے۔ اس اعتراض کا تحقیقی جواب یہ ہے۔ کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے خولہ میں بطریق تملیک تصرف نہ فرمایا تھا۔ جو اس پر کسی قسم کا اعتراض پیدا ہو سکے۔ بلکہ تزویج کے طریق پر اس عفیفہ کریمہ کو اپنے عقد ازدواج میں لائے تھے۔ جیسا کہ کتب معتبرہ امامیہ مثل کتاب مناقب ابن شہر آشوب۔ کتاب کفایۃ المومنین۔ بحارالانوار اور اور کتابوں میں منقول ہیں۔ ابن شہر آشوب کتاب مناقب میں فرماتے ہیں۔ قیل للباقر علیہ السلام قد قال ابوک باامتعہا استغل من سبیھما فاشار علیہ السلام الی جابر الانصاری فقال جابر رایت الحنفیۃ عدلت الی تربۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فرنت وزفرت ثم نادت السلام علیک یارسول اللہ وعلی اہل بیتک من بعدہ ہذہ امتک تسبا سبی الکفار وما کان لنا ذنب الا المیل الی اہل بیتک ثم قال ایہا الناس سبیتمونا وقد اقررنا بالشہادتین فقال الزبیر بحق اللہ فی ایدیکم منعتموناہ قال الرجال منعوکم فما بال النسوان وطرح طلحۃ علیہا ثوبا وخالد ثوبا فقالت یا ایہا الناس لست بعریانۃ فتکسونی ولا سائلۃ فتصدقون علی فقال الزبیر انہما یریدانک فقالت لا یکونان لی ببعل الا من خبرنی بالکلام الذی قلتہ ساعۃ خرجت من بطن امی فجاء امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ فقال یا خولۃ اسمعی الکلام وعی الخطاب لما کانت امک حاملۃ بک وضربہا الطلق واشتد بہا الامر نادت اللہم سلمنی من ہذا المولود سالما فسبقت الدعوۃ لک بالنجاۃ فلما وضعتک نادیت من تحتہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا اماہ لم تدعین علی وعما قلیل سیملکنی سید یکون لی منہ ولد فکتبت ذلک الکلام فی لوح من نحاس فدفنتہ فی الموضع الذی سقطت فیہ فلما کانت فی اللیلۃ قبضت فیہا امک اوصت الیک بذلک فلما کانت وقت سبیک لم یکن لک ہمۃ الا اخذ ذلک اللوح فاخذتیہ وشددتیہ علی عضدک فہاتی اللوح فانا صاحب

صفحہ ۱۰۵ [illegible]

AsliAhleSunnet.com

ذلک اللوح وانا امیر المومنین وانا ابو ذلک الغلام المیمون واسمہ محمد فدفعت اللوح الی امیر المومنین علیہ السلام فقرأہ عثمان لابی بکر فواللہ مازاد علی فی اللوح حرفاواحدا ولا نقص فقالوا باجمعہم صدق اللہ ورسولہ اذ قال انامدینۃ العلم وعلی بابہا فقال ابو بکر خذہا یا ابا الحسن بارک اللہ لک فیہا فانقذہا علی اسما بنت عمیس فقال خذی ہذہ المرءۃ فاکرمی مثواہا واحفظہا فلم تزل عندہا الی ان قدم اخوہا فتزوجہا منہ وامہرہا امیر المومنین وتزوجہا نکاحاً انتہی (جناب باقر علیہ السلام کیخدمت میں عرض کیا گیا۔ کہ آپ کے والد ماجدان دونوں کی امامت کے قائل تھے۔ کیونکہ انکی اسیر کردہ کنیزوں کو حلال جانتے تھے۔ پس حضرت باقرؑ نے جابر انصاری کیطرف اشارہ فرمایا۔ تب جابر نے کہا کہ میں نے حنفیہ کو دیکھا کہ وہ قبر مطہر رسولخدا صلعم کیطرف متوجہ ہوئی۔ اور چیخ مار کر روئی اور فریاد وزاری کی پھر اسطرح پکاری میرا سلام ہو۔ آپ پر یا رسول اللہ اور آپکی اہلبیت اطہار پر۔ یہ آپکی کنیز کا فروں کی طرح اسیر کیگئی حالانکہ ہمارا کچھ بھی قصور نہ تھا سوا اسکے کہ ہم آپکی اہلبیت کیطرف میل و رغبت رکھتے ہیں پھر بولی اے لوگو! تم نے ہمکو کفار کیطرح اسیر کیا۔ حالانکہ ہمنے شہادتین کا اقرار کیا۔ تب زبیر نے کہا۔ ہمنے تمکو اس حق خدا کی وجہ سے قید کیا۔ جو تمھارے پاس تھا۔ اور تم نے ہمکو نہ دیا۔ جوابدیا کہ مردوں نے تم کو منع کیا عورتوں کا کیا قصور۔ اور طلحہ نے اسپر کپڑا ڈالا۔ یہ دیکھکر وہ بولی۔ اے لوگو! میں ننگی نہیں ہوں۔ جو تم مجھکو پہناتے ہو۔ اور نہ میں سائل ہوں۔ جو تم مجھپر تصدق کرتے ہو۔ زبیر نے کہا کہ یہ دونو تیری خواہش کرتے ہیں اُسنے جوابدیا کہ یہ میری شوہر نہیں بن سکتے۔ مگر ہاں وہ شخص میرا شوہر ہو سکتا ہے۔ جو مجھے اس کلام کی خبر دے۔ جو میں نے اسوقت اپنی ماں سے کیا تھا جبکہ میں اُسکے پیٹ سے باہر آئی پس امیر المومنین علیہ السلام وہاں تشریف لائے اور فرمایا اے خولہ مجھ سے وہ کلام سُن۔ اور اُسنے مخاطبہ چھوڑ۔ جب تیری ماں تجھ سے حاملہ تھی۔ اور اسکو دردِ زہ سے تکلیف ہوئی۔ اور معاملہ نہایت سخت ہو گیا۔ تو یوں دعا کی اے خدا مجھکو اس بچے سے بچالے۔ پس اسکی دعا قبول ہوئی۔ اور اسکو نجات ہوگئی۔ جب تو پیدا ہوئی۔ تو تو نے اسکے نیچے سے آواز دی۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اے میری ماں تو میرے لئے کیوں بددعا کرتی ہے عنقریب ایک سردار میرا مالک ہوگا۔ اور اُس سے مجھکو ایک بچہ پیدا ہوگا۔ پس اسنے تیرا یہ کلام تانبے کی ایک تختی پر لکھ لیا۔ اور اس (لوح) کو اسی جگہ میں دفن کر دیا۔ جہاں تو پیدا ہوئی تھی۔ پس جب وہ رات آئی جسمیں تیری ماں نے انتقال کیا تو اسنے تجھکو اس تختی کے بارے میں وصیت کی۔ پس جب تیری اسیری کا وقت آیا۔ تو اسوقت تجھکو سب چیزوں سے زیادہ اس تختی کے لینے کا خیال تھا۔ پس تو نے اُسکو لیکر اپنے بازو پر باندھ لیا۔ وہ تختی لا۔ کیونکہ میں ہی اس تختی کا صاحب ہوں۔ اور میں ہی امیر المومنین ہوں۔ اور میں ہی اس مبارک فرزند کا باپ ہوں۔ اور اُس بچے کا نام محمدؐ ہے۔ پس اسنے وہ تختی امیر المومنینؑ کو دیدی۔ پس عثمان نے وہ تختی ابوبکر کو پڑھکر سنائی۔ خدا کی قسم۔ اسمیں ایک حرف زیادہ تھا۔ اور نہ کم یہ سنکر تمام حاضرین نے

AsliAhleSunnet.com

کہا۔ اللہ اور اُسکے رسول نے سچ فرمایا ہے۔ "میں علم کا شہر ہوں۔ اور علی اُسکا دروازہ ہے"۔ ابوبکر نے کہا۔ اے ابوالحسن! تم اس کنیز کو لیلو۔ خدا تمہیں اسمیں برکت دے۔ پس حضرت امیرؑ نے خولہ کو چھڑا کر اسما بنت عمیس کے حوالہ کیا۔ اور اُس سے فرمایا۔ اے اسما اس عورت کو لے۔ اور اسکی خاطر تواضع کر۔ اور اسکو حفاظت سے رکھ۔ پس خولہ اُسکے پاس رہی۔ یہانتک کہ اُس کا بھائی آیا۔ اور امیرالمومنین سے اُس کی شادی کردی۔ اور امیرالمومنین نے اُسکا مہر ادا کیا۔ اور اُس کو اپنے عقد نکاح میں لائے)۔

مولانا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ کتاب حق الیقین میں فرماتے ہیں۔ کہ روایات شیعہ میں وارد ہوا ہے۔ کہ جب اسیروں کو ابوبکر کے پاس لائے۔ اور محمد بن حنفیہ کی ماں انمیں تھی۔ جب اسکی نظر حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضریح مقدس پر پڑی۔ تو گریہ و بکا کی آواز بلند کی۔ اور عرض کی۔ السلام علیک یا رسول اللہ خدا آپ پر اور آپ کی اہلبیت پر سلام بھیجے۔ یہ لوگ آپکی اُمت ہیں۔ انھوں نے ہمکو ترک و دیلم کے کافروں کی طرح ہمکو اسیر کیا۔ خدا کی قسم اسکے سوا ہمارا کچھ بھی گناہ نہ تھا۔ کہ ہمنے آپکی اہلبیت کی محبت کا بیج اپنے سینہ میں بویا۔ اور انکی فضیلت کا اقرار کیا۔ پس اُن لوگوں نے نیکی کو بدی گمان کیا۔ اور بدی کو نیکی سمجھا۔ آپ ہمارا انتقام ان سے لیجئے۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا۔ اے لوگو! تم نے کیوں ہمکو اسیر کیا۔ حالانکہ ہم خدا کی وحدانیت اور رسولخدا صلعم کی رسالت کا اقرار رکھتے ہیں۔ حاضرین نے جواب دیا۔ کہ تمھارا قصور یہ ہے۔ کہ تم نے زکوٰۃ نہ دی۔ اس مخطمہ نے کہا۔ سچ کہو۔ ہمارے مردوں نے زکوٰۃ نہ دی۔ یہ بتاؤ۔ عورتوں اور بچوں کا کیا قصور ہے؟ پس طلحہ اور خالد نے چاہا کہ اسکو اپنے حصے میں لیں۔ اس مکرمہ نے کہا خدا کی قسم۔ کوئی شخص میرا شوہر نہیں بن سکتا۔ سوا اُس شخص کے جو مجھکو خبر دے کہ میری ولادت کیوقت مجھپر کیا واقعہ گزرا۔ اس وقت امیرالمومنینؑ وہاں تشریف لائے۔ اور فرمایا میں خبر دیتا ہوں۔ جب تیری ماں کو وضع حمل کا وقت قریب آیا۔ تو یوں دعا کی اے خدا اس وضع حمل کو مجھ پر آسان کر۔ بعد ازاں تجھے اختیار ہے اس بچے کو زندہ رکھ۔ یا اُسے مار۔ جب تو پیدا ہوئی۔ تو پیدا ہوتے ہی زبان کھولی۔ اور کلمہ شہادت کو ادا کیا۔ اور اپنی ماں سے کہا۔ کہ تو میری ہلاکت میں کیوں راضی ہوئی۔ جلد ایسا ظہور میں آئیگا۔ کہ سردار اولاد آدم مجھ سے نکاح کریگا۔ اور ایک سید مجھ سے پیدا ہوگا۔ جب تیری ماں نے یہ باتیں سنیں۔ تو انکو ایک تانبے کے ٹکڑے پر نقش کروا کر اسی زمین میں دفن کرادیا۔ جب تجھکو اسیر کر رہے تھے۔ تو تجھ کو بڑی کوشش یہ تھی کہ اس اپنے نوشتہ کی حفاظت کرے یہاں تک کہ تو نے اُسکو اُٹھا کر اپنے بازو پر باندھ لیا۔ بعد ازاں عثمان اور دیگر حاضرین نے زور دیکر اس لوح کو کھولا۔ اور دیکھا تو اسپر وہی عبارت نقش تھی۔ جو حضرت امیرؑ نے بیان فرمائی تھی۔ پھر حضرتؑ نے اسکو اسما بنت عمیس کے گھر بھیجدیا۔ یہانتک کہ اسکا بھائی آیا۔ اور اسکا نکاح آنجناب سے کردیا۔ اس روایت میں مصنف کے اس اعتراض کا جواب تصریحًا موجود ہے۔ اور کتاب عمدۃ الطالب فی مناقب آل ابیطالب میں بھی خولہ کے اسلام اور حضرت

AsliAhleSunnet.com

امیر المومنین کے اس نکاح کرنیکی کیفیت تصریح موجود ہے۔ اور اسکی روایت کیموافق مصنف کا اعتراض اصلاً ساقط ہے جس کا جی چاہے اس کتاب کو مطالعہ فرمائے۔ اور مصنف علام نے جو سوال و جواب اس مقام میں تحریر فرمائے ہیں۔ وہ خود انکے ساختہ پرداختہ اور منگھڑت ہیں۔ کتب امامیہ میں کہیں انکا نشان تک نہیں پایا جاتا۔ جو اس کے جواب کیطرف توجہ کرنیکی ضرورت ہو۔

قول مصنف تحفہ

اور بعض لوگ نکاح اور بیع کو زبان عربی کے سوا جائز نہیں جانتے حالانکہ دنیوی معاملات میں لغات کا اعتبار کسی شریعت میں نہیں آیا۔ اور نہ حضرت امیرؑ نے اپنے عہد حکومت میں خراسان اور فارس کے لوگوں کو اس امر کی تکلیف دی ہے۔ کہ اپنے معاملات کو زبان عرب میں عقد کیا کریں۔ بلکہ ان کے نکاحوں اور بیعوں کو جو انھوں نے اپنی زبان میں کئے تھے جاری اور جائز رکھا ہے۔ اور کسی طرح عقل میں نہیں آتا۔ کہ زبان عربی کو عقود و معاملات مثلاً نکاح۔ بیع اور طلاق میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔ اور ان عقود میں مافی الضمیر کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور ہر قوم کا مافی الضمیر عادتاً ایک مقرر اور معین لغت میں ادا کیا جاتا ہے۔ انتھیٰ۔

جواب باصواب

مصنف نے جو ایراد و اعتراض اس مقام میں یا دوسرے مقامات میں فرمایا ہے اسکی وجہ ہمیشہ یہی ہے۔ کہ وہ علمائے امامیہ کے کلام میں غور و تأمل سے بہت کم کام لیتے ہیں۔ اور انکی تحریرات و اقوال کے مطالب و معانی کو نہیں سمجھتے۔ کیونکہ علمائے امامیہ کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ کہ عقود مثلاً بیوع اور انکحہ کا زبان عربی میں واقع ہونا واجب ہے۔ یا مستحب۔ اور جو علماء کہ اسکے وجوب کے قائل ہیں۔ انکے نزدیک بھی یہ حکم ان اشخاص سے مخصوص ہے۔ جو زبان عربی پر قدرت رکھتے ہوں۔ اور جو لوگ زبان عربی پر قادر نہیں ہیں۔ انکے لئے زبان عربی کے سوا اور زبانوں میں عقود کے واقع ہونیکی صحت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اگرچہ ناظرین کتب امامیہ ہمارے اس کلام کی صداقت ظاہر ہو سکتی ہے۔ لیکن اہل استفادہ کے اطمینان خاطر کیلئے بعض علمائے اعلام کی عبارتیں یہاں نقل کیجاتی ہیں۔ صاحب شرائع بیوع کی بحث میں فرماتے ہیں۔ والعقد الدال علی نقل التملیک من مالک الی آخر بعوض معلوم (یہ عقد عوض معلوم پر ایک مالک کی تملیک کو دوسری مالک کیطرف نقل کرنے پر دلالت کرتا ہے) اور شرح لمعہ میں فرمایا ہے ولا یجوز العقد ایجاباً و قبولاً بغیر العربیۃ مع القدرۃ علیھا لان ذلک ھو المعھود من صاحب الشرع کغیرہ من العقود اللازمۃ وقیل ان ذلک مستحب لا واجب لان غیر العربیۃ من اللغات من قبیل الترادف فیصح ان یقام مقامہ ولان الغرض ایصال المعانی المقصود الی فھم المتعاقدین فیتادی بای لفظ اتفق وھما ممنوعان واعتبر ثالث کونہ بالعربیۃ الصحیحۃ فلا ینعقد بالملحون والمحرف مع القدرۃ علی الصحیح نظراً الی الواقع

صفحہ ۱۹۱

[illegible]

[illegible]

AsliAhleSunnet.com

من صاحب الشرع ولا ريب انه اولى ويسقط مع العجز عنه والمراد به ما يشتمل المشقة الكثيرة فى التعلم او فوات بعض الاغراض المقصودة ولو عجز احدهما اختص بالرخصة ونطق القادر بالعربية بشرط ان يفهم كل فيهما كلام الآخر ولو بمترجمين عدلين وفى الاكتفاء بالواحد وجه ولا يجب على العاجز التوكيل وان قدر عليه للاصل (عقد میں ایجاب وقبول عربی زبان کے سوا دوسری زبان میں جائز نہیں جبکہ عربی پر قادر ہو۔ اس لئے کہ یہ دوسرے عقود لازمہ کیطرح صاحب شریعت سے معہود اور مقرر ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ یہ مستحب ہے۔ واجب نہیں، کیونکہ عربی کے سوا دوسری زبانیں گویا اسکی مترادف ہیں۔ پس ان کا اسکی قائمقام ہونا صحیح ہوگا کیونکہ غرض یہ ہے کہ معانی مقصود دونو متعاقدوں کی سمجھ میں آجائیں۔ پس جس لفظ سے کہ اتفاق ہوسکے۔ ادا ہوجاتے ہیں اور وہ دونو ممنوع ہیں اور تیسری چیز معتبر ہے۔ یعنی عقد صحیح عربی میں منعقد ہوتا ہے۔ پس جبکہ صحیح عربی پر قدرت حاصل ہو۔ تو غلط اور محرف عربی میں منعقد نہیں ہوتا۔ کیونکہ صاحب شرع سے صحیح عربی میں واقع ہوا ہے اور بیشک وہ اولیٰ اور انسب ہے۔ اور جب زبان عربی سے عاجز ہو۔ تو یہ شرط ساقط ہوجاتی ہے۔ اور اس (عجز) سے مراد یہ ہے کہ اس کے سیکھنے میں مشقت کثیرہ کا متحمل ہونا پڑے۔ یا بعض اغراض مقصودہ فوت ہوجائیں۔ اور اگر ان دونو (متعاقدون) میں سے ایک عاجز ہو۔ تو اس کو اجازت ہے کہ وہ عربی کے سوا اور زبان میں گفتگو کرے۔ اور جو شخص عربیت پر قادر ہے۔ وہ عربی میں بات کرے۔ بشرطیکہ وہ دونو ایکدوسرے کا کلام سمجھتے ہوں۔ اگرچہ دو عادل مترجموں کے ذریعہ سہی۔ اور ایک عادل پر اکتفا کرنے میں شک ہے۔ اور جو شخص عربیت سے عاجز ہو۔ اسپر وکیل کرنا واجب نہیں ہے اگرچہ وہ اسپر قدرت رکھتا ہو۔ اسلئے کہ وہ اصل ہے۔

الغرض عقود کو زبان عربی میں ادا کرنا اس شخص پر واجب ہے جو لغت عرب پر قادر ہو۔ نہ تمام افراد مکلفین پر واجب ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ عقود کی غرض یہ ہے کہ مطلقاً مافی الضمیر کا اظہار کیا جائے۔ خواہ کسی طرح پر ہو۔ اسکو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ غرض عقود یہ ہے کہ مافی الضمیر کو شرعی طریق پر ظاہر کیا جائے۔ جو شارع علیہ السلام کیطرف سے ملقین کیا گیا ہے۔ اور جو طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سعادت مہد میں معہود ومقرر رہا۔ اور وہ زبان عرب میں تھا۔ اور جو لوگ زبان عرب پر قدرت رکھتے ہوں۔ انکے حق میں عربی کے سوا دوسری زبان کو جائز جاننا اول بحث اور ممنوع دوم باطل ہے۔ نیز اگر غرض خصوصیت الفاظ سے متعلق نہو اور خصوص الفاظ کو اس باب میں دخل نہ ہو۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ جو عقود۔ غیر صحیح عقد سے منعقد کئے جائیں۔ وہ جاری اور جائز رکھے جائیں۔ حالانکہ یہ بات بالاتفاق باطل ہے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے غیر قادر لوگوں کو عربی میں عقود قائم کرنیکی تکلیف نہ فرمانیسے قدرت رکھنے والوں سے یہ تکلیف ساقط نہیں ہوتی۔ اور جو شخص ذراسی حمیت از گفتار اور کردار میں جناب شارع مقدس علیہ وآلہ التحیۃ والثنا کی اقتدار و اتباع کا کچھ بھی شوق رکھتا ہے اس پر

خوب واضح اور روشن ہے۔ کہ حالت اقتدار و قدرت میں عقود کا زبان عرب میں واقع کرنا لازم اور حتمی ہے جیسا کہ آں سرور عالم و حضور لامع النور صلی اللہ علیہ وآلہ کی دیار سعادت آثار میں معمول رہا ہے۔ اور اس کا ترک کرنا صفائے طبیعت اور خلوص عقیدت کا منافی ہے۔ اور آنحضرت صلعم زبان عرب میں گفتگو کرنیکی ترغیب و تحریص فرمایا کرتے تھے چنانچہ کتاب کافی شرح وافی میں جو فقہ حنفیہ کی ایک معتبر کتاب ہے۔ روایت کی ہے قال علیہ السلام انا عربی والقرآن عربی ولسان اھل الجنۃ عربی (آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے میں عربی ہوں۔ اور قرآن عربی ہے۔ اور اہل جنت کی زبان عربی ہے) خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ عربی زبان میں عقود کو قائم کرنے میں جناب شارع علیہ السلام کی پیروی ثابت اور متحقق ہوتی ہے۔ خدا فرماتا ہے ولکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنۃ اور آنجناب کی تاسی و اتباع کرنا استحسان اور تعریف کا موجب ہے۔ نہ کہ تشنیع و ملامت کا باعث۔ مصنف تحفہ کے والد ماجد نے رسالہ الوصیۃ فی النصیحۃ والوصیہ میں کیا ہی خوب فرمایا ہے۔ "دوسری وصیت۔ ہم لوگ عرب ہیں کہ ہمارے آباو اجداد مسافرانہ ملک ہند میں آکر آباد ہو گئے ہیں۔ عربی النسل اور عربی اللسان ہونا ہمارا فخر ہے۔ جو ہمکو سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء و المرسلین فخر موجودات علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے نزدیک اور قریب کرتا ہے۔ اس عطیہ عظمیٰ کا شکریہ یہ ہے کہ ہم حتی المقدور عرب کی عادات اور رسوم کو جو آنحضرت صلعم کی جائے پرورش ہے۔ ترک نہ کریں۔ اور عجم کی رسوم و عادات کو اپنے درمیان رائج نہ ہونے دیں"۔ انتہی کلامہ۔

نیز یہ حکم اس حدیث شریف کی جزئیات و فروع سے ہے جسکو حاکم نے مستدرک میں ابن عمر سے روایت کیا ہے۔ اور ذہبی نے بھی اسکی تصحیح کی ہے۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے بھی جامع صغیر میں اسکی روایت کی ہے۔ من احسن منکم ان یتکلم بالعربیۃ فلا یتکلمن بالفارسیۃ فانہ یورث النفاق (یعنی جو شخص تم میں سے عربی میں اچھی طرح گفتگو کر سکتا ہے۔ اسکو لازم ہے کہ وہ فارسی میں گفتگو نہ کرے۔ کیونکہ وہ نفاق کو پیدا کرتی ہے۔ اور امامیہ کے نزدیک عقود کو عربی زبان میں واقع کرنا اس حالت سے مخصوص ہے۔ جبکہ زبان عرب پر قدرت حاصل ہو۔ علاوہ بریں یہ بات ہے۔ کہ امام شافعی عربی کے سوا دوسری زبان میں گفتگو کرنا مطلقاً مکروہ جانتے ہیں۔

مناوی شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں۔ قد یقال الحدیث علی بابہ وظاہرہ فان اللہ لما انزل کتابہ باللسان العربی وجعل رسولہ عنہ الکتاب والحکمۃ وجعل السابقین الی ھذا الدین متکلمین بہ ولم یکن سبیل الی ضبط الدین ومعرفتہ الا بضبط ھذا اللسان فصارت معرفتہ من الایمان وصار عنیاد التکلم بہ اعون علی معرفۃ دین اللہ واقرب الی اقامۃ شعائر الاسلام فلذلک صار دوام ترکہ بار الی النفاق واللسان تقارنہ امور اخری من العلوم والاخلاق لان العادات لہا تاثیر عظیم فیما یحبہ اللہ وفیما یبغضہ ۔

(کہتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے باب و ظاہر کیموافق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اپنی کتاب کو زبان عربی میں نازل فرمایا۔ اور اپنا

ترغیب گفتگو و تعلیم زبان عرب

وصیت شاہ ولی اللہ

حدیث مستدرک

صفحہ ۱۹۱

تقریر مناوی در شرح جامع صغیر

AsliAhleSunnet.com

رسول عرب سے مقرر کیا۔ جو کتاب وحکمت کو عربی میں بیان کرتا ہے۔ اور جن لوگوں نے اس دین کیطرف سبقت کی وہ بھی عربی میں گفتگو کرتے تھے۔ اور اس دین کے ضبط اور معرفت کیطرف اس زبان کے ضبط کرنیکے سوا اور کوئی رستہ نہیں ہے۔ پس اس زبان کی معرفت ایمان میں داخل ہو گئی۔ اور عربی میں کلام کرنا دین خدا کی معرفت زیادہ تر معین ومددگار اور شعائر اسلامی کے قائم کرنیکے قریب تر ہے۔ اسی وجہ سے اس کا دائمی طور پر ترک کرنا نفاق کی طرف کھینچنے والا قرار پایا۔ اور دیگر امور مثلاً علوم واخلاق بھی اس زبان سے مقارنت رکھتے ہیں۔ کیونکہ عادات کو خدا کی محبوب یا مبغوض چیزوں میں بڑا اثر اور دخل ہے) اسکے بعد فرماتے ہیں ھذا ھو الوجہ فی توجیہ الحدیث وقد روی السلفی بسندہ عن ابیہ عن ابن عبد الحکیم ان الشافعی کرہ للقادر النطق بالعجمیۃ من غیر ان یحرمہ قال المجد بن تیمیہ وقد کان السلف یتکلمون بالکلمۃ بعد الکلمۃ من العجمیۃ اما اعتیاد الخطاب بغیر العربیۃ التی ھی شعار الاسلام ولغۃ القرآن حتے یصیر ذالک عادۃ ویھجر العربیۃ فھو موضع النھی مع ان اعتیاد اللغۃ یوثر فی الخلق والدین والعقل تاثیرا مبینا ونفس العربیۃ من الدین ومعرفتہا فرض واجب فان فھم الکتاب والسنۃ فرض ولا یفھم الا بفھم العربی ومالا یتم الواجب الا بہ واجب (اس حدیث کی توجیہ اسی طرح پر ہے۔ اور سلفی نے اپنی سند کیساتھ اپنے باپ سے ابن عبد الحکیم سے روایت کی ہے۔ کہ شافعی اس شخص کو جو عربی بولنے پر قادر ہے عجمی زبان میں گفتگو کرنا مکروہ جانتا ہے۔ مگر یہ کہ اسکو حرام نہیں کرتا۔ مجد بن تیمیہ کا قول ہے۔ کہ اہل سلف عجمی کے ایک کلمہ کے بعد عربی کا ایک کلمہ بولتے تھے لیکن عربی جو شعار اسلام اور لغت قرآن ہے۔ اسکے سوا اور زبان کا عادی ہونا یہانتک کہ اسکی عادت پڑجائے۔ اور عربی چھوٹ جائے پس یہ نہی کا مقام ہے۔ حالانکہ کسی لغت کا عادی ہونا خلق وعادت۔ دین اور عقل میں کھلم کھلا تاثیر رکھتا ہے۔ اور عربی خود دین سے ہے۔ اور اسکی معرفت فرض اور واجب ہے کیونکہ کتاب اور سنت کا سمجھنا فرض ہے۔ اور وہ عربی سمجھنے کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی۔ اور واجب جس چیز کے بغیر کامل نہ ہو۔ اسکا حاصل کرنا بھی واجب ہے) پس اس حکم کو فرقہ امامیہ کے خصائص سے شمار کرنا اور اس باب میں درج فرمانا عبث اور مستدرک محض ہے۔

قول مصنف تحفہ

نیز کہتے ہیں۔ کہ جد۔ باپ کی موجودگی میں صغیر کا مال فروخت کرنے میں مختار اور صاحب ولایت ہے۔ حالانکہ شرع اور عرف میں مقرر ہے۔ کہ ولی اقرب کے ہوتے ولی ابعد کو کسی باب میں کچھ دخل نہیں ہے۔

جواب باصواب

یہ حکم ان احادیث کے عموم واطلاق سے استنباط کیا گیا ہے۔ جو بطریق عامہ وخاصہ وارد ہوئی ہیں۔ اور ان کا حاصل یہ ہے۔ کہ بیٹے کا مال مطلقاً خواہ اس کا اپنا خاص مال ہو۔ یا اسکے سوا اور رہا ہو سب مال اسکے باپ کا ہے منجملہ ان کی وہ حدیث ہے

AsliAhleSunnet.com

جسکو ابن ماجہ نے اپنی سند کیساتھ جابر انصاری سے روایت کیا ہے۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب جامع صغیر میں درج فرمایا ہے انت ومالك لابيك (تو اور تیرا مال سب کچھ تیرے باپ کا مال ہے) مناوی نے شرح جامع صغیر میں نقل کیا ہے قال رجل ان لی مالاً وولداً وان ابی یرید ان یجتاح مالی یعنی ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اقدس میں آکر عرض کی کہ میرے پاس مال اور اولاد ہے۔ اور میرا باپ چاہتا ہے کہ میرے مال کو برباد اور تباہ کر ڈالے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملک ہے۔ اس اصول کی بنا پر بیٹے کا مال باپ کا مال ہے۔ اور باپ کا مال اسکا خاص مال ہو یا غیر خاص۔ اس حدیث شریف کے اطلاق کے بموجب اسکے باپ کا مال ہے۔ اور ہر شخص اپنے مال کا مختار ہوتا ہے۔ پس اس حکم کو شرع شریف کے مخالف سمجھنا محض عناد و تعنت کی وجہ سے ہے۔ اور رہا یہ قول کہ ولی اقرب کے موجود ہوتے ولی ابعد کو دخل نہیں ہے۔ سو اس کی کلیت اور تمام ابواب میں اسکا عام ہونا ممنوع اور نادرست ہے من ادعی فعلیہ البیان جسکو دعویٰ ہو۔ وہ اپنا ثبوت و بینہ پیش کرے۔

قول مصنف تحفہ

نیز یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ تجارت میں مومن سے نفع لینا مکروہ ہے۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے احل اللہ البیع وقال الا ان یکون تجارۃ عن تراض منکم (خدا نے بیع کو حلال فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے) مومن اور غیر مومن اس باب میں برابر ہیں۔ اسلئے کہ تجارت اور بیع کی بنیاد نفع حاصل کرنے پر ہے۔ اور تمام زمانوں اور تمام ملکوں اور شہروں میں امت کا توارث باہمی بھی اسکے خلاف ہے اگر کوئی شخص چاہے۔ کہ دار الاسلام محض میں تجارت کرے تو اسکو جائز نہ ہوگا۔ پس بہت سے ملک مثلاً ایران۔ خراسان۔ عراق عرب اور یمن اس فائدہ سے محروم رہینگے۔ حالانکہ انبیاء اور ائمہ نے مومنین کے آپس میں تجارت کرنے اور باہم نفع لینے کا حکم فرمایا ہے۔

جواب باصواب

مصنف نے جو کچھ یہاں تحریر فرمایا ہے۔ وہ چند وجوہ سے مدفوع اور مردود ہے۔ وجہ اول یہ کہ مصنف نے اس مسئلہ میں مذہب امامیہ کے بیان کرنے میں خبط کیا ہے۔ اسلئے کہ آداب بیع وشرے (خرید و فروخت) میں مومن سے ترک ربح یعنی نفع کا ترک کرنا جو علمائے امامیہ کے کلام میں واقع ہے وہاں ترک ربح سے مراد عام نہیں ہے۔ بلکہ بقصد تجارت و احتیاج کے ماسوا سے مخصوص ہے لیکن اگر متاع (اسباب) کو تجارت کیواسطے خریدا ہو یا اسکی احتیاج رکھتا ہو۔ اس صورت میں مومن سے نفع لینا مکروہ نہیں ہے۔ فرقہ حقہ کی عبارات صریحاً اسپر نص کر رہی ہیں۔ شرح لمعہ میں فرمایا ہے الحادی عشر ترک الربح علی المومنین الا مع الحاجۃ فیاخذ منھم نفقۃ یوم لہ ولعیالہ موزعۃ علی المعاملین فی ذالک الیوم مع انضباطھم والا ترک الربح علی المعاملین بعد تحصیل قوت یومہ اما التجارۃ فلا بأس مع الرفق انتہے (گیارہویں نفع

کا مومنین پر ترک کرنا لیکن جبکہ اسکی حاجت ہو پس اُن سے اپنا اور اپنے عیال کا ایک دن کا نفقہ لے لے۔ اور وہ گج کے دن کے اہل معاملہ سے با انضباط حصہ رسد وصول کیا جائے۔ ورنہ گج کیدن کی قوت (خوراک) کے حاصل کرنے کے بعد اہل معاملہ پر نفع چھوڑ دیا جائے۔ لیکن تجارت پس اسمیں نرمی کیساتھ نفع لینے کا ڈر نہیں۔ پس مصنف کا یہ اعتراض کوئی وجہ وجیہ نہیں رکھتا محض ناموزوں اور بیوجہ ہے۔

وجہ دوم ۔ یہ کہ امامیہ کا قول اس مسئلہ میں حضرت سرور کائنات علیہ وآلہ افضل التحیات واکرم التسلیمات کی حدیث شریف کیمطابق ہے جسکو ابن عساکر نے ابن عمر سے روایت کیا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر میں بھی اسکی تخریج فرمائی ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لیس من المروۃ الربح علی الاخوان یعنی برادران مومن سے نفع لینا مروت میں داخل نہیں ہے پس برادر مومن سے نفع لینا اس حدیث شریف کیمواقف مروت کیخلاف اور عدالت کا منافی ہے۔ اور شیخ عبدالحق نے ترجمہ مشکوٰۃ میں تعریف عدالت کے ضمن میں فرمایا ہے "اور مروت سے مراد یعنی جو مروت عدالت کی تعریف میں داخل کیگئی ہے اس سے مراد بعض خصائص اور نقائص سے متنزہ اور خالی ہونا ہے۔ جو ہمت اور مردانگی کا مقتضا ہے مثلاً بعض مباحات جیسا کہ بازار میں کھانا پینا اور شارع عام میں پیشاب کرنا ترک کرنا۔ اور ان امور کے مکروہ ہونیمیں کوئی شک نہیں پس برادر مومن سے نفع لینا جو ہمت اور مردانگی کا مقتضا نہیں ہے مکروہ ہوگا پس مصنف نے اس مقام میں جو طعن و تشنیع امامیہ پر کی ہے۔ وہ جناب سرور انام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کیطرف راجع ہوتی ہے۔ الحمختصر اگر یہ حدیث جناب کے گوش زد نہیں ہوئی۔ تو اس سے جناب فضیلتمآب کی محدث گری پر حرف آتا ہے۔ اور اگر باوجود معلوم ہونیکے طعن و تشنیع کا ارتکاب فرمایا ہے۔ تو اس مدعی فضل و عرفان کے دین وایمان پر بٹہ لگتا ہے۔

وجہ سوم ۔ یہ کہ یہاں بحث ان مسائل سے ہے جنمیں امامیہ سب سے الگ اور منفرد ہیں۔ اور اس قول میں جناب سرور انبیاء مرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام امامیہ کیساتھ شریک ہیں۔ اور اس قول کے قائل ہیں۔ پس امامیہ کو خاص طور پر تشنیع کرنا اور اس مسئلہ کو اس باب میں ذکر کرنا جو خصائص امامیہ (جو مصنف کے خیال میں دساتیر ہنود سے مشابہ ہیں) کے بیان کیلئے موضوع اور مقرر ہے۔ ناموزوں اور نازیبا ہے۔

قول مصنف تحفہ

نیز کہتے ہیں کہ رہن۔ مال مرہونہ کو مرتہن کے قبضہ میں دیئے بغیر بھی جائز ہے حالانکہ شرع میں قبض کو رہن کے لوازمات ضروریہ سے قرار دیا ہے۔ خدا فرماتا ہے فرھان مقبوضۃ (مال مرہونہ پر قبضہ دلایا جائے) اور رہن سے جو فائدہ مطلوب ہے وہ قبضہ کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ گرو لینے والے کو مرہون چیز میں کچھ دخل نہیں۔ وہ گرو رکھنے والے کی ملک ہے۔ اور وہ اس کا منافع بھی اسکی اجازت بغیر نہیں لے سکتا صرف ایک قبضہ ہی ہے جس سے وہ ضرورت کے موقع پر اس چیز

صفحہ ۱۹۵

مسئلہ رہن پر اعتراض

AsliAhleSunnet.com

سے اپنا قرض وصول کر سکتا ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو۔ تو رہن سے کیا فائدہ ہے۔ باوجود اسکے انکا یہ قول آئمہ کی روایات صحیحہ کے بھی مخالف ہے۔ روی محمد بن قیس عن الباقر والصادق علیہما السلام انہما قالا لا رہن الا مقبوضاً (محمد بن قیس نے حضرت باقر اور حضرت صادق علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ ان دونو نے فرمایا۔ قبضہ دیے بغیر کوئی رہن نہیں ہے۔) انتہی کلامہ

جواب باصواب

مصنف کا قول چند وجوہ سے باطل ہے **وجہ اول** یہ کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے بہت سے علمائے امامیہ مثل شیخ مفید۔ ابن جنید۔ ابو الصلاح۔ قاضی۔ سلار۔ ابو منصور طبرسی۔ شیخ ابو القاسم۔ اور شیخ شہید مکی وغیرہم اشتراط قبض کے قائل ہیں۔ شیخ طوسی نے نہایہ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ لمعہ دمشقیہ میں فرماتے ہیں وانما یتم بالقبض علے الاقوی فلو جن او مات او اغمی علیہ او رجع فیہ قبل اقباضہ بطل الرہن (قول اقوی کے موافق رہن قبضہ دینے سے مکمل ہوتا ہے پس اگر قبضہ دینے سے پہلے مجنون ہو جائے۔ یا مر جائے۔ یا بیہوش ہو جائے۔ یا اس سے رجوع کر لے۔ تو رہن باطل ہو جاتا ہے) جامع عباسی میں فرمایا ہے۔ پنجم گرو پر قبضہ کرنا۔ قبضہ کر نہیں گرو کرنے والے کی اجازت شرط ہے پس اگر قبضہ کرنے سے پہلے گرو کرنیوالا مر جائے۔ یا دیوانہ ہو جائے۔ یا اجازت دینے اور قبضہ دینے میں رجوع کر جائے۔ تو رہن باطل ہو جاتا ہے۔ اور شرائع میں فرمایا ہے ھل القبض شرط فیہ قیل لا وقیل نعم وھو الاصح ولو قبضہ من غیر اذن الراہن لم ینعقد وکذا لو اذن فی قبضہ ثم رجع قبل قبضہ وکذا لو نطق بالعقد ثم جن او اغمی علیہ او مات قبل القبض (آیا قبض کرنا رہن میں شرط ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں۔ اور بعض کا قول ہے۔ کہ ہاں۔ اور یہی قول سب سے صحیح تر ہے۔ اور اگر اسمیں راہن کی اجازت بغیر قبضہ کر لے تو عقد رہن منعقد نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح اگر وہ (راہن) قبضہ کی اجازت دیدے۔ پھر اس (مرتہن) کے قبضہ کرنیسے پہلے اپنے قول سے پھر جائے۔ اور اسیطرح اگر عقد رہن کو زبان سے بیان کرے۔ پھر قبضہ کرنیسے پہلے دیوانہ ہو جائے۔ یا بیہوش ہو جائے۔ یا مر جائے۔ تو بھی عقد رہن منعقد نہیں ہوتا) اور بعض علماء اس بنا پر کہ اصل عدم اشتراط ہے۔ اور اور وجوہات کی وجہ سے جو بعد میں بیان ہونگی۔ عدم اشتراط کے قائل ہوئے ہیں۔ اور ایسا ہی اختلاف علمائے اہلسنت میں بھی واقع ہے۔ امام مالک رہن میں قبضہ کرنیکی شرط کے قائل نہیں ہیں۔ بیضاوی میں فرمایا ہے والجمہور علی اعتبار القبض فیہ غیر مالک (جمہور علماء نے رہن میں قبضہ کرنیکی شرط کو اختیار کیا ہے مگر مالک اسکا قائل نہیں) شرح منظومہ میں فرماتے ہیں۔ الرہن بالایجاب والقبول یتم قبل القبض للمعقول قال مالک یلزم الرہن بالایجاب والقبول والدلیل المعقول وھی انہ یختص بالمال من الجانبین وکان فی معنی مبادلۃ المال بالمال فلا یتوقف علی القبض کالبیع ولانہ وثیقۃ فیتم بالایجاب والقبول کالحوالہ

صفحہ ۱۹۶ قبضہ رہن میں علمائے امامیہ میں اختلاف

ائمہ اہلسنت میں بھی اختلاف ہے

AsliAhleSunnet.com

والکفالۃ (رہن ایجاب و قبول کیساتھ قبضہ کرنے سے پہلے کامل ہوجاتا ہے اور عقل اسپر شاہد ہے، اور مالک کا قول ہے کہ رہن ایجاب و قبول سے لازم ہوجاتا ہے اور اسکی دلیل عقل ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ دونوں (راہن اور مرتہن) طرف سے مال کیساتھ خصوصیت رکھتی ہے۔ اور در حقیقت مال کا مبادلہ مال کیساتھ ہے پس وہ قبضہ کرنے پر موقوف نہیں ہے جیسے بیع۔ اور اسلئے کہ وہ ایک توثیقہ ہے جو ایجاب و قبول پر ختم اور کامل ہوجاتا ہے جیسے حوالہ اور کفالہ متفق و مفترق میں فرمایا ہے فقال ابوحنیفہ والشافعی لا یلزم الا بالقبض سواء کان الرہن متمیزا او غیر متمیز وقال مالک یلزم بنفس القبول فی الکل علی الاطلاق واختلف عن احمد فروی عنہ ان کان متمیزا من مال الراہن کالعبد والثوب والدار لزم بنفس القبول الخ (ابوحنیفہ اور شافعی کا قول ہے کہ رہن قبضہ کے بغیر لازم نہیں ہوتا خواہ رہن (چیز) متمیز ہو۔ یا غیر متمیز ہو۔ اور مالک کا قول یہ ہے کہ وہ قبول کرتے ہی کل چیزیں مطلقاً لازم ہوجاتا ہے۔ اور احمد کی طرف سے اختلاف کیا گیا ہے۔ پس اس سے روایت کی گئی ہے کہ اگر رہن کی چیز راہن کے مال سے متمیز اور جدا ہو۔ جیسے غلام، کپڑا، گھر، تو قبول کرتے ہی رہن لازم ہوجاتا ہے الخ) پس اس صورت میں جبکہ سنیوں کے آئمہ اور علماء میں بھی رہن کے بارے میں باہم اسی قسم کا اختلاف موجود ہے۔ تو پھر امامیہ کو خاص طور پر تشنیع کرنا کیا معنی؟ اور اس مسئلہ کو اس باب میں جو خصائص امامیہ کیلئے موضوع اور مقرر ہے۔ درج کرنا محض لغو اور عبث ہے۔

وجہ دوم۔ یہ کہ مصنف کو جو یہ توہم واقع ہوا ہے۔ کہ یہ قول آیہ کریمہ وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا فرہان مقبوضۃ فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤتمن امانتہ ولیتق اللہ ربہ ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہا فانہ اثم قلبہ واللہ بما تعملون علیم (اور اگر تم سفر میں ہو۔ اور کاتب تمکو نہ ملے۔ تو رہن بالقبض کر دو پس اگر تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس امانت رکھے۔ تو جس شخص کے پاس امانت رکھی گئی ہے۔ اس امانت کو ادا کر دے۔ اور اپنے پروردگار اللہ سے ڈرے۔ اور تم شہادت کو نہ چھپاؤ۔ ورجو شخص شہادت کو چھپائے پس اسکا دل گنہگار ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال کا عالم و دانا ہے) سے منافات رکھتا ہے۔ سو آنجناب کا یہ توہم ساقط ہے اسلئے کہ اس آیت مذکورہ بالا میں رہن میں قبضہ جو تجویز کیا گیا ہے۔ اسمیں سفر میں ہونا اور کاتب کا نہ ملنا شرط ہے۔ پس اگر یہ دو حالتیں مفقود ہوں۔ تو ان کے سوا باقی اور حالات میں رہن بلا قبض جائز ہوگا۔ باوجودیکہ صفت کا مفہوم اکثر علمائے اصول کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہے۔

وجہ سوم۔ یہ کہ مصنف نے جو غرض رہن کے فوت ہونیکی تشنیع فرمائی ہے۔ وہ عدم قبض کے جائز رکھنے کیصورت میں مندفع اور باطل ہے۔ اسلئے کہ یہ اعتراض اس جماعت پر جو عدم اشتراط قبض کے قائل ہیں اور اس جماعت پر جو اشتراط قبض کے قائل ہیں بمشترک ہے۔ اور دونوں جماعتوں پر وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ جو علماء اشتراط

AsliAhleSunnet.com

تردید اعتراض صفحہ ۱۹۰ مصنف

قبض کے قائل ہیں۔ انکے نزدیک قبضہ کی استدامت اور ہمیشگی شرط نہیں ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک مرتہن کا مرہون شئے راہن کو عاریتاً دینا جائز ہے۔ فتاوائے حمادیہ میں جو حنفیہ کی معتبر کتابوں میں سے ہے۔ فرماتے ہیں فان اعاد المرتھن الرھن من الراھن او الراھن من المرتھن فانہ یجوز (اگر مرتہن رہن چیز راہن کو عاریتاً لے۔ یا راہن اسکو مرتہن سے عاریتاً لے تو جائز ہے) کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ جب راہن مرہون چیز کو مرتہن سے عاریتاً لے لے۔ اور مرہون شے راہن کے قبضہ میں آجائے۔ تو مرتہن کے قبضہ میں نہیں رہتی۔ اسوقت فائدہ مذکور فوت ہو جاتا ہے۔ اور ایراد مذکور اس قول پر بھی وارد ہوتا ہے۔ "اسلئے کہ گرو لینے والے کا مرہون چیز میں کوئی دخل نہیں ہے وہ گرو رکھنے والے کی ملک ہے۔ اور اس کا نفع بھی اجازت کے بغیر حاصل نہیں کر سکتا۔ جو کچھ ہے وہ قبضہ ہی ہے کہ ضرورت کے موقع پر اس سے اپنا قرض وصول کر سکتا ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو۔ تو رہن کا کیا فائدہ ہوگا؟"۔

روایت ضعیف ہے

وجہ چہارم یہ کہ مصنف نے جو روایت ذکر فرمائی ہے۔ وہ ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کے طریق میں محمد بن قیس واقع ہے۔ اور یہ نام ضعیف اور غیر ضعیف میں مشترک ہے۔ پس یہ روایت حکم شرعی کے ثابت کرنیکی صلاحیت نہیں رکھتی۔ چنانچہ واقفان علم اصول پر خوب ظاہر و باہر ہے۔

قول مصنف تحفہ

نیز کہتے ہیں۔ کہ رہن منفعت جائز ہے۔ حالانکہ صریح ربا (سود) ہے۔

مسئلہ رہن منفعت

جواب باصواب

مصنف نے جو کچھ یہاں تحریر فرمایا ہے۔ محض بہتان اور خالص کذب و افترا ہے۔ کتب امامیہ میں اسکے خلاف لکھا ہوا ہے۔ لمعہ دمشقیہ میں فرمایا ہے شرط الرھن ان یکون عینا مملوکۃ یمکن قبضھا و یصح بیعھا فلا یصح رھن المنفعۃ (رہن کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسی عین مملوکہ ہو جسپر قبضہ کرنا ممکن ہو۔ اور اسکا بیع صحیح ہو۔ پس منفعت کو رہن کرنا صحیح نہیں ہے) اور شرائع الاسلام میں فرمایا ہے ومن شرطہ ان یکون عینا مملوکا یمکن قبضہ و یصح بیعہ سواء کان مشاعاً او منفردا فلو رھن دیناً لم ینعقد وکذا لو رھن منفعۃ کسکنی الدار و خدمۃ العبد (اور رہن کی شرط یہ ہے کہ وہ عین مملوک ہو جس پر قبضہ کرنا ممکن ہو۔ اور اسکا بیع کرنا صحیح اور درست ہو خواہ مشاع یعنی شامل اور ملا ہوا ہو۔ یا منفرد اور الگ ہو۔ پس اگر دین کو رہن کیا جائے۔ تو عقد رہن منعقد نہیں ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اگر منفعت کو رہن کیا جائے۔ جیسے گھر کی سکونت اور غلام کی خدمت۔ یہ بھی درست نہیں) جامع عباسی میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ہفتم یہ کہ گرو ایسی چیز ہو جس کا مالک ہونا ممکن ہو۔ اور اسکا فروخت کرنا جائز اور درست ہو۔ پس دین کا گرو کرنا۔ اور رہائش خانہ کا گرو کرنا۔ اور غلام کی خدمت کا گرو کرنا۔ اور غیر شخص کی ملکیت کا اسکے اجازت کے بغیر گرو کرنا اور شراب اور سور کا گرو کرنا اگرچہ راہن یہودی ہو۔ اور مسلمان کے

AsliAhleSunnet.com

پاس گرو کرے۔ اور وہ دوسرے یہودی کے ہاتھ میں رکھے۔ جائز نہیں ہے۔ انتہی۔

معلوم نہیں کہ جناب افادت مآب کو کذب وافترا کے ارتکاب میں جو بے شک وشبہ قوادح عدالت سے ہے۔ کونسا امر باعث ہوا ہے۔ جو اس کتاب کے اکثر مقامات میں اسپر اقدام فرمایا ہے۔

قول مصنف تحفہ

نیز یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی لونڈی کو رہن میں لے۔ تو گرو لینے والے شخص کو اس کنیز سے وطی کرنا جائز ہے حالانکہ یہ صریحاً زنا ہے۔ انتہی۔

جواب باصواب

یہ مسئلہ بھی مسئلہ سابقہ کیطرح سر دفتر ارباب عناد کی طبع وقاد کی مخترعات سے ہے۔ کتب امامیہ میں اسکے برخلاف موجود ہے۔

شرح لمعہ میں فرماتے ہیں ولو وطئها المرتهن فهو زان لانه وطی امة الغیر بغیر اذنه (اور اگر مرتہن اس مرہونہ کنیز سے وطی کرے تو وہ زانی ہے کیونکہ اس نے غیر شخص کی کنیز سے اسکی بلا اجازت وطی کی ہے)

الغرض کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ فاضل مصنف نے جو ارباب حدیث کی ریاست کے مدعی ہیں۔ اور اپنے آپ کو اپنے زمانہ کا شیخ المشائخ سمجھتے ہیں۔ کونسا فائدہ مظنون و متخیل ہے۔ جو اسقدر جسارت افترا سازی اور بہتان بندی کے ارتکاب میں فرماتے ہیں نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

قول مصنف تحفہ

نیز یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص اپنی حرم یعنی کنیزک (لونڈی) کو جو اس سے بچہ جن چکی ہے۔ جس کو عرف فقہا میں ام الولد کہتے ہیں رگرو رکھے۔ جائز ہے۔ اور اگر وہ مرتہن یعنی گرو لینے والے کو یہ پروانگی دیدے کہ وہ اسکے قبل و دبر میں جماع کرے۔ تو وہ بھی جائز ہے۔ حالانکہ اس مسئلہ کی شناعت وقباحت اور قواعد شرع سے اسکی مخالفت نہایت ظاہر و باہر ہے۔

جواب باصواب

مصنف نے اس مسئلے کی تقریر میں خبط کیا ہے۔ اس کی تفصیل اجمالاً اسطرح پر ہے کہ کنیز کا گرو رکھنا حنفیہ اور امامیہ کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ فتاوائے حنفیہ کی طرف رجوع کرنیسے اسکی صداقت معلوم ہو سکتی ہے۔ فتاوائے حمادیہ میں فرمایا ہے رجل رهن من آخر جارية يساوي الفا بالف فجاء المرتهن وطلب دينه وابى الراهن ذلك حتى يحضر المرتهن الجارية والراهن والمرتهن في مصرهما الى آخر ما قال۔ (ایک شخص نے اپنی لونڈی قیمتی ایکہزار کی ایکہزار میں دوسرے شخص کے پاس رہن کی۔ پس مرتہن نے آکر اپنا قرض طلب کیا۔ اور راہن نے انکار کیا جب تک کہ مرتہن لونڈی کو حاضر کرے اور راہن اور مرتہن

AsliAhleSunnet.com

دونوں ایک ہی شہر میں ہیں۔ الخ) اور صاحبان غور و تامل پر صاف ظاہر ہے۔ کنیز عام ہے۔ خواہ موطوئہ ہو۔ جس سے بچہ پیدا ہوا ہو خواہ غیر موطوئہ۔ اور اس قول کا مطلق ہونا اس امر کا مقتضی ہے۔ کہ بچے والی حرم کا رہن رکھنا جائز ہے۔ لیکن امامیہ کے نزدیک کنیز کا رہن کرنا ایسی صورت میں مکروہ ہے۔ جبکہ مرتہن عادل نہ ہو۔ یا نامحرم ہو۔ اور کنیز خوبصورت ہو۔ جامع عباسی میں فرمایا ہے۔ "خوبصورت کنیز کا مرد فاسق کے پاس گرو کرنا مکروہ ہے۔ مگر جبکہ وہ محرم ہو تو مکروہ نہیں"۔ اور مزنی اور ابن جریر طبری کے نزدیک جو اہلسنت کے علمائے معتبر میں سے ہیں۔ کنیز کو قرض کے طور پر دینا جائز ہے۔ کتاب رحمۃ للامۃ میں فرماتے ہیں قال المزنی وابن جریر الطبری یجوز قرض الاماء اللواتی یجوز للمقترض وطیھن (مزنی اور ابن جریر طبری کا قول ہے۔ کہ ان کنیزوں کا قرض کے طور پر دینا جائز ہے۔ جن سے وطی کرنا قرض لینے والے کو جائز ہو) اور اُم ولد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بہت سے علمائے امامیہ بچے والی کنیز کا رہن رکھنا جائز نہیں جانتے اور جو علماء جواز کے قائل ہیں۔ وہ مطلقاً جواز کا حکم نہیں کرتے۔ بلکہ رہن کو اس صورت میں جائز جانتے ہیں۔ کہ مثلاً ایک شخص نے ایک کنیز بطریق نسیہ (اُدھار) کچھ وعدہ پر خریدی۔ اور ایجاب و قبول واقع ہو چکا۔ اور ملکیت قرار پانیکے بعد وہ اُم الولد ہوگئی اور یہ شخص اسکی قیمت ادا کرنے پر بالکل قدرت نہیں رکھتا۔ اور فروخت کرنیوالا انتظار نہیں کرتا۔ فوراً قیمت طلب کرتا ہے۔ اسوقت جائز ہے۔ کہ اس کنیز کو رہن رکھکر اسکی قیمت کا روپیہ ادا کردے۔ اور مصنف نے جو یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ اگر رہن کرنیوالا اگر قرض لینے والے کو یہ پروانگی دیدے۔ . . . . الخ۔ قابل غور و مقام تامل ہے اسلئے کہ کتب امامیہ میں کہیں اس حکم کی تصریح موجود نہیں چنانچہ صاحبان خبرت و فطنت اس سے خوب واقف ہیں۔ لیکن تاہم بطور فرض و تسلیم عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر مصنف کی مراد اس قول سے یہ ہے۔ کہ مرتہن کو اس کنیز سے جماع کرنا صرف راہن کی اجازت سے صیغہ تحلیل کے واقع کرنیکے بغیر امامیہ کے نزدیک جائز ہے۔ تو یہ محض افترا و بہتان اور سفید جھوٹ ہے۔ اور اگر مدعا یہ ہے۔ کہ صیغہ و عقد تحلیل کے واقع کرنیکی صورت میں مرتہن کے اس کنیز سے مجامعت کرنیکو جائز جانتے ہیں۔ تو اسمیں کسی قسم کی قباحت نہیں۔ کیونکہ تحلیل امامیہ کے نزدیک ایک قسم کا نکاح ہے۔ حنفیہ بھی اُم الولد کو دوسرے کے نکاح و تزویج میں دینا کراہت کیساتھ جائز جانتے ہیں ہدایہ میں فرمایا ہے اذا ولدت الامۃ من مولدھا ارت اُم ولد (لونڈی جب اپنے جنانے والے سے بچہ جنے۔ تو وہ اُم الولد ہو جاتی ہے) بعد ازاں کچھ ذرا آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں ولہ وطیھا واستخدامھا واجارتھا (اور اس شخص کو اس کنیز سے وطی کرنے اور اس سے خدمت لینے اور اسکو اجارہ پر دینے کا اختیار ہے) ہم ذرا آگے چل کر کتب اہلسنت سے نقل کیا جائیگا۔ کہ عطا ابن رباح جو مشائخ عظام اور

AsliAhleSunnet.com

کبار تابعین اور اپنے زمانے کے اجلہ فقہا سے اور رئیس الفقہائے اہلسنت ابوحنیفہ کے استادوں میں سے ہے۔ اور ابوحنیفہ نے اسکے حق میں فرمایا ہے ما رایت فی من لقیت افضل من عطا بن رباح (جن لوگوں سے میں نے ملاقات کی ہے۔ ان میں عطا بن رباح سے افضل کوئی شخص نہیں دیکھا) جواز تحلیل کا قائل ہے۔ اور اپنی کنیزیں بطریق تحلیل لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ نیز یہ بھی ذکر کیا جائیگا۔ کہ مالک بن انس عورت کی وطی فی الدبر کا قائل ہے۔ مولوی جامی بھی کتاب بہارستان میں اسکی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قول عطاء ابن رباح

اشعار جامی در باب جواز وطی در دبر نزد مالک

اشعار

گفت مملوکہ بمالک خویش	کز قفائش گرفتہ راہ فساد
ترک این فعل کن کہ جائز نیست	نزد دیں پروران شرع نہاد
گفت خامُش کہ شیخ دیں مالک	ہمچنیں عیش رخصتِ ما داد
گفت مسکیں ززیرِ او کہ خدات	در زدو گیرِ مالک انداز اد

حاصل ترجمہ اشعار

ایک کنیز نے جس سے اس کا مالک وطی فی الدبر کر رہا تھا۔ اپنے مالک سے کہا کہ اس فعل کو ترک کر کیونکہ یہ فعل شریعت میں جائز نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ دین کے سردار مالک نے ہمکو اس عیش پرستی کی اجازت دی ہے۔ اس غریب نے نیچے سے آواز دی۔ کہ خدا تجھکو مالک جہنم کی زد و گیر میں گرفتار کرے۔ بلکہ یافعی نے جو شافعیہ کے اعاظم علماء سے ہے۔ اپنی شرح کبیر میں عبد الحکیم شاگرد شافعی سے نقل کیا ہے وان الشافعی قال لم یصح عن النبی صلعم فی تحریمہ ولا تحلیلہ شی والقیاس انہ حلال (شافعی نے فرمایا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم سے اسکی تحریم میں نہ اسکی تحلیل میں کوئی روایت صحیح طور پر وارد نہیں ہوئی۔ اور قیاس یہ ہے۔ کہ وہ حلال ہے) اور مصنف نے جو اُم الولد کو حرم سے تعبیر فرمایا ہے۔ وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ حرم عرف میں عام ہے۔ خواہ وہ صاحب فرزند ہو۔ یا نہ ہو۔ اور اُم الولد اس حرم کو کہتے ہیں۔ جو اس شخص سے صاحب اولاد ہو۔

غلطی مصنف

قول مصنف تخفہ نیز یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص اپنے قرضدار کو دوسرے شخص پر حوالہ کرے۔ اور وہ دوسرا شخص قبول نہ کرے۔ حوالہ لازم ہو جاتا ہے۔ نص علیہ ابو جعفر الطوسی اسمہ ابن النعمان (ابو جعفر طوسی نے جس کا نام ابن النعمان ہے۔ اس پر نص کیا ہے) اس حکم میں بہت ہی غرابت اور اچنبہ پن ہے۔ شریعت میں کسی جگہ

مسئلہ حوالہ [illegible]

AsliAhleSunnet.com

نہیں آیا۔ کہ کسی کا قرض دوسرے شخص پر لازم ہو جائے۔ بدون اسکے کہ وہ شخص خود پر اسکو لازم کرے اگر اس مسئلہ پر عمل جاری ہو جائے۔ عجیب وغریب فساد پیدا ہو جائے۔ ہر فقیر و کنگال اپنے قرضداروں کو دریبہ اور اردوے معلے کے ساہوکاروں پر حوالہ کردے اور خود بری الذمہ ہو جائے۔ اور دریبہ اور اردوے کے ساہوکاروں کا سارا مال مسجد جامع کی سیڑھیوں کے فقیروں کے حوالہ میں طوعاً و کرہاً برباد اور تباہ ہو جائے۔ ایک عجیب تماشا ہے۔ انتہی۔

جواب باصواب

علمائے امامیہ نے جو حکم کئے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی غرابت اور اعجوبہ پن نہیں ہے۔ اگر غرابت ہے۔ تو اس میں ہے۔ کہ فاضل مصنف باوجود اس فضل و دانش کے ادعا کے مشاغبہ میں فرط شغف و فریفتگی کے سبب قائل کے مدعا کو نہیں سمجھے۔ اور اسکے قول کو میزان غور و تامل میں نہیں تولتے۔ اور نقض و ابرام میں مہاورت و استعجال فرماتے ہیں۔ اور جو تشنیع اپنے آپ پر عائد ہوتی ہے۔ اسکو امامیہ کے حوالہ کرتے ہیں ان ھذا لشئ عجاب اس مسئلہ کی توضیح اسطرح پر ہے کہ علمائے امامیہ میں اس باب میں اختلاف ہے۔ کہ بری الذمہ شخص پر حوالہ جائز ہے۔ یا نہیں۔ شیخ طوسی ابن براج اور کچھ اور علماء عدم جواز کے قائل ہیں۔ انکے مذہب کے مطابق حوالہ کے معنی ہیں۔ مال کو ایک شخص کے ذمہ سے دوسرے شخص کے ذمہ کی طرف منتقل کرنا جو اتنا ہی مشغول الذمہ ہو۔ اور کچھ علماء قائل ہیں۔ کہ بری الذمہ شخص پر حوالہ جائز ہے اور اسکو ضمان کے مشابہ تر جانتے ہیں۔ جو علماء کہ اس قول کے قائل ہیں۔ انکے نزدیک محتال علیہ کی رضا حوالہ میں قطعاً معتبر ہے۔ اور شرط ہے۔ چنانچہ شرح لمعہ میں فرمایا ہے ولو جوزنا الحوالۃ علی البری اعتبر رضاہ قطعاً (اور اگر ہم بری الذمہ شخص پر حوالہ کو جائز جانیں۔ تو اس صورت میں اس بری الذمہ شخص کی رضامندی قطعاً معتبر ہے) اور جو علماء کہ اسکے عدم جواز کے قائل ہیں۔ انکے نزدیک بھی محتال علیہ کی رضامندی مشہور قول ہے۔ شرائع میں فرمایا ہے۔ الحوالۃ عقد شرع لتحویل المال من ذمۃ الی ذمۃ مشغولۃ بمثلہ و شرط فیہا رضی المحتال علیہ والمحال ویصح ان یحیل علی من لیس علیہ دین لکن یکون ذلک بالضمان اشبہ (حوالہ ایک عقد شرعی ہے۔ تاکہ مال ایک شخص کے ذمے سے دوسری شخص کے ذمہ کی طرف تحویل و تبدیل ہو جائے۔ جو اتنا ہی مشغول الذمہ ہے۔ اور اس میں محتال علیہ اور محال کی رضامندی شرط ہے۔ اور جس شخص کے ذمے کوئی قرض نہ ہو۔ اس پر بھی حوالہ کرنا صحیح ہے لیکن یہ ضمان سے زیادہ تر مشابہ ہوتا ہے) اور لمعہ میں فرمایا ہے کتاب الحوالۃ وھی التعہد بالمال من المشغول بمثلہ و شرط فیہا رضاء الثلثۃ (کتاب حوالہ۔ اور حوالہ مال کی ذمہ داری کا نام ہے

AsliAhleSunnet.com

جو اُس شخص کیطرف سے ہو۔ جو اتنا ہی مشغول الذمہ ہے۔ اور اسمیں تینوں شخصوں کی رضامندی شرط ہی) جامع عباسی میں فرماتے ہیں۔ "حوالہ ایک کے ذمہ سے دوسرے کے ذمہ کیطرف مال کا منتقل کرنا ہے۔ اور اسکی شرطیں چھ ہیں۔ سوم اس شخص کی رضا جو حوالہ کرتا ہے۔ اور اس شخص کی رضا جسکو حوالے کرتا ہے۔ اور اُس شخص کی رضا جس پر حوالہ کیا ہو۔" اور جو علمار کہ بری الذمہ پر حوالہ کرنیکو نا جائز جانتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی شخص اس امر کا قائل ہو جائے۔ کہ محتال علیہ کی رضا اس میں شرط نہیں ہے۔ تو کیا مضائقہ ہے۔ اور محال کو اسکے اوپر حوالہ کیا ہے۔ تو چار و ناچار حوالہ اُس پر لازم ہے۔ خواہ طیب خاطر اور رضامندی سے دے یا جبراً قہراً نا رضامندی سے۔

اور اس حکم میں بالکل کسی قسم کی غرابت نہیں ہے۔ بلکہ اس بنا پر اس کیخلاف کرنیمیں اور محتال علیہ کی رضامندی کو شرط قرار دینے میں غرابت ہے کسی جگہ شریعت میں نہیں آیا۔ کہ مشغول الذمہ شخص اس مال کے ادا کرنیمیں جو اُسکے ذمہ ہے تعلل اور حیلے بہانے کرے۔ اگر اس مسئلہ پر یعنی مشغول الذمہ محتال علیہ کی رضامندی کو شرط مقرر کرنے پر عمل جاری ہو جائے۔ تو ایک عجیب فساد پیدا ہو جائیگا۔ سرکار ہائے عمدہ کے خزینہ دار مثلاً سرکار والا اور سرکار ہائے امرائے عظام جو اپنے آقاؤں اور خداوندان نعمت کے مشغول الذمہ ہوتے ہیں یومیہ واروں۔ ملازموں اور کارخانوں کی براتیں اُن پر حوالہ ہوتی ہیں محتال علیہ کی رضامندی کی شرط کا بہانہ کر کے مسترد کر دیں اور کسی کو کچھ بھی نہ دیں۔ اس صورت میں سلطنت اور دولت امراء خواقین کے کاروبار میں پورا پورا خلل پڑ جائیگا۔ نیز قلیل البضاعت لوگ اور اسی طرح فقراء و مساکین اکثر اوقات جو کچھ انکو ہاتھ لگتا ہے بطور امانت یا قرض کے طور پر ساہوکاروں کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے جب یہ فقراء و مساکین اور قلیل البضاعت لوگ غلہ کپڑا اور دیگر ضروریات دوسرے لوگوں سے خریدیں۔ اور انکی قیمت کو روپیہ اور اردوے معلے کے ساہوکاروں پر حوالہ کریں۔ جو ان کے مشغول الذمہ ہیں۔ اور بہانہ جو ساہوکار محتال علیہ کی رضامندی کی شرط کے سبب سے اس روپے کو ادا نہ کریں۔ تو اس صورت میں ان لوگوں کے کاروبار میں بہت بڑا خلل واقع ہوگا۔ اور قلیل البضاعت غریبوں اور فقراء و مساکین اور مسجد جامع کی سیڑھیوں کے فقیروں کا مال جو انھوں نے کوڑی کوڑی اور پیسہ پیسہ کر کے ساہوکاروں کے پاس جمع کیا تھا سب کا سب روپیہ اور اردوے معلے کے ساہوکار برباد و تباہ کر ڈالیں۔ اور کسی کو ایک کوڑی بھی نہ دیں۔ اور کم سرمایہ غریبوں مفلسوں کا مال طوعاً و کرہاً سب برباد ہو جائے۔ یہ عجیب تماشا ہے۔

الغرض مصنف نے جو اعتراض کیا ہے اور وہ علمائے امامیہ پر افترا بندی اور غلط فہمی کے خبط

AsliAhleSunnet.com

سے پیدا ہوا ہے۔ بالکل بیجا اور نامناسب ہے۔ کیونکہ در بیہ اور از روئے معلے کے ساہوکار اگر مسجد جامع کی سیڑھیوں کے فقرا و مساکین کے مشغول الذمہ نہ ہوں۔ تو علمار امامیہ کے مذہب کے موافق فقیروں اور محتاجوں کا حوالہ ان پر جائز نہیں ہے۔ اور اگر اسکو جائز قرار دیا جائے۔ تو اس صورت میں بھی محتال علیہ یعنی ساہوکار کی رضامندی قطعاً شرط ہے۔ اور اگر وہ فقیروں کے مشغول الذمہ ہوں۔ تو اس صورت میں بھی اکثر علمائے امامیہ کے نزدیک محتال علیہ کی رضامندی جو اس مثال میں ساہوکار ہی شرط ہے۔ اور اس فرقہ دوم کے بعض علمار کے اقوال کیموافق بھی جو محتال علیہ مشغول الذمہ کی رضامندی کو شرط نہیں جانتے کسی قسم کی قباحت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ جب ساہوکار فقیروں محتاجوں کے مشغول الذمہ ہیں۔ تو اس صورت میں ان کا تعلل اور بہانہ جوئی کہ شوم طبعی اور شرط کے بہانہ سے فقرا کے مال کو تلف کرلنے پر کمربستہ ہو کر ان غریبوں کے کاروبار میں خلل انداز ہوتے ہیں عرف شرع کی رو سے کچھ بھی کارآمد نہیں ہے۔ اور عجیب تر بات یہ ہے۔ کہ شافعی اور احمد کے نزدیک محتال علیہ کی رضامندی مطلقاً معتبر نہیں ہے۔ اور مالک کے نزدیک اس صورت میں محتال علیہ کی رضامندی شرط نہیں جبکہ محتال علیہ دشمن نہ ہو۔ کتاب منفق و مفترق موصوم بہ افصاح میں فرماتے ہیں۔ و اختلفوا فی رضاء المحتال علیہ ھل یعتبر فقال ابوحنیفۃ یعتبر رضاہ و قال مالک ان کان عدوا اعتبر رضاہ والا لم یعتبر و قال الشافعی واحمد لا یعتبر علی الاطلاق انتھی کلامہ (اس باب میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ کہ محتال علیہ کی رضا معتبر ہے۔ یا نہیں۔ ابوحنیفہ کا قول ہے۔ کہ اسکی رضا معتبر ہے۔ اور مالک کا قول ہے کہ اگر وہ دشمن ہے۔ تو اسکی رضامندی معتبر ہے۔ ورنہ معتبر نہیں۔ اور شافعی اور احمد کا قول ہے۔ کہ مطلقاً معتبر نہیں ہے) اور اس قول کا مطلق واقع ہونا اس امر کا مقتضی ہے۔ کہ شافعی اور احمد کے نزدیک مطلقاً اور مالک کے نزدیک دو صورتوں میں سے ایک صورت میں محتال علیہ کی رضامندی مطلقاً شرط نہیں ہے۔ خواہ محتال علیہ مشغول الذمہ ہو۔ یا نہ ہو پس اس مسئلہ میں اعتراض اور تشنیع کے مستحق و سزاوار شافعی۔ احمد اور مالک ہیں۔ نہ کہ امامیہ۔ کیونکہ ان پر تشنیع کرنا بالکل بیجا اور بیوجہ ہے۔ جیسا کہ ہمارے بیان مذکورہ بالا سے معلوم ہوا تعجب ہے۔ کہ فاضل ناصب اور جرمشاغب پردۂ حیا و شرم کو چہرۂ انور سے اٹھا کر جو تشنیع کہ اس قول کے قائلین کیلئے سزاوار تھی۔ بلا قصور امامیہ کے حوالہ کرتے ہیں۔ جو اس قول کے قائل ہی نہیں ہیں کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے اذا لم تستحی فاصنع ما شئت جب حیا جاتی رہے۔ تو جو تیرا جی چاہے کر۔ الحاصل کہ اس مسئلے کا اس باب میں جو خصائص امامیہ کیلئے موضوع و مقصود ہے۔ وارد کرنا محض لغو اور بالکل عبث اور خطائے فاحش ہے۔ فلا تکن من الخاطئین

قول مصنف تحفہ نیز یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر ایک شخص کسی کے مال کو غصب کرے۔ اور اس

علمائے اہلسنت کا بھی اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے

صفحہ ۲۰۲

AsliAhleSunnet.com

کو کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھے۔ اس امانتدار پر واجب ہے۔ کہ مودع یعنی امانت رکھنے والے شخص کی موت کے بعد اس امانت سے انکار کر دے۔ حالانکہ خدا تعالے نے انکار میں کس قدر سختی فرمائی ہے۔ اور اگر یہ امانت رکھنے والا غاصب ہے۔ تو غصب کا گناہ اسکے ذمہ ہے۔ اسکو انکار کرنا کیونکر جائز ہے۔ اور جھوٹ بولنا۔ اور جھوٹی قسم کھانا کیونکر روا ہو سکتا ہے۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اگر اس غصبی چیز کا مالک پیدا نہ ہو تو ایک سال تلاش کرنیکے بعد اس غصبی شے کو فقیروں پر تصدق کر دے۔ حالانکہ مال غیر سے خیرات کرنا مالک کی اجازت کے بغیر شرع میں جائز نہیں ہے۔ قولہ تعالے ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الے اھلہا وقال النبی صلعم اد الامانۃ الی من ایتمنک ولا تخن من خانک وھو خبر صحیح نص علیہ ابن المطہر الحلی انتہی کلامہ (خدا تم کو حکم دیتا ہے۔ کہ امانتیں انکے مالکوں کو ادا کرو۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ امانت اُس شخص کو ادا کر دے جس نے وہ تیرے پاس امانت رکھی ہے۔ اور جس نے تیری خیانت کی ہے اسکی خیانت نہ کر اور یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن مطہر حلی نے اس پر نص کیا ہے)

مسئلہ امانت و مال غصب پر اعتراض

جواب باصواب

امانت کا واپس دینا امامیہ کے نزدیک واجب فوری ہے۔ اگرچہ مودع امانت والا کافر اور حربی ہی کیوں نہ ہو۔ شرائع الاسلام میں فرمایا ہے۔ ویجب اعادۃ الودیعۃ علی المودع مع المطالبۃ ولو کان کافرا (امین پر واجب ہے۔ کہ امانت امانت کے مالک کو واپس کر دے جبکہ وہ طلب کرے۔ اگرچہ وہ کافر ہو) شیخ زین الدین شہید ثانی طاب ثراہ اسکی شرح میں فرماتے ہیں یشمل اطلاقہ الکافر الحربی وغیرہ من انواع الکفار ممن یجوز اخذ مالہ وان تودیعہ مستثناۃ من ذلک بوجوب الامانۃ قال اللہ تعالے ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلہا ولروایۃ الفضیل عن الرضا قال سالتہ عن رجل استودع رجلا من موالیک مالا لہ قیمۃ والرجل الذی علیہ المال رجل من العرب یقدر ان لا یعطیہ شیئا والمودع رجل خارجی شیطان فلم ادع شیئا فقال قل لہ یرد علیہ فانہ ائتمنہ علیہ بامانۃ اللہ (لفظ کافر کا مطلق آنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں کافر حربی وغیرہ سب قسم کے کافر شامل ہیں جن کا مال لینا جائز ہے پس اس کا امانت کے طور پر مال کو سپرد کرنا اس حکم سے مستثنے ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ تم امانات کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دو۔ اور اس وجہ سے کہ فضیل نے امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ کہ میں نے حضرتؑ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا۔ کہ آپ کے دوستوں میں سے ایک شخص کے پاس کچھ قیمت دار مال امانت رکھا۔ اور امانت دار شخص ایک عرب ہے۔ جو اتنا مقدور رکھتا ہے۔ کہ امانت والے کو کچھ بھی واپس نہ دے۔ اور امانت والا شخص خارجی شیطان ہے۔ پس میں نے اسکی مذمت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا حضرت

احکام امانت

واپسی امانت کا حکم عام ہے

AsliAhleSunnet.com

نے فرمایا اس سے کہدو۔ کہ اسکی امانت کو واپس کردے کیونکہ اُس نے اس شخص کو اس چیز پر امانت الٰہی کیساتھ امین بنایا ہے) شرح لمعہ میں فرمایا ہے ویجب اعادۃ الودیعۃ علی المودع مع المطالبۃ فی اول وقت الامکان بمعنی رفع یدہ عنہا والتخلیۃ بین المالک وبینہا فلو کانت فی صندوق مقفل ففتحہ علیہ او بیت محرز فکذلک لا ینقلہا الی المالک زیادۃ علیہا علی ذلک والعذر الشرعی کاکمال الصلوٰۃ و ان کانت نفلاً علے الاقوی مالم یتضرر المالک بالتاخیر والعادی کانتظار انقطاع المطر ونحوہ وان کان المودع کافراً مباح المال کالحربی للامر باداء الامانۃ الی اہلہا من غیر قید (اور امانت کا صاحب امانت کو واپس کرنا واجب ہے۔ جونہی کہ وہ طلب کرے جتنی جلدی ممکن ہو یعنی مطالبہ کرتے ہی اپنا ہاتھ اسپر سے اٹھالے۔ اور اسکو مالک کے حوالے کردے۔ اگر کسی مقفل صندوق میں ہو۔ تو اسکو کھول ڈالے اور اگر کسی بند اور محفوظ مکان میں ہو۔ تو بھی اسی طرح کھول کر نکالدے۔ اسکو مالک کے حوالے کر نہیں اس سے زیادہ دیر نہ لگائے۔ اور عذر شرعی جیسے نماز کو کامل کرنا ہے خواہ نافلہ ہی ہو علے الاقوے جب تک کہ مالک کو اس تاخیر سے ضرر نہو۔ اور عذر عادی جیسے بارش وغیرہ کے بند ہوجانے کا انتظار ہے۔ اگرچہ صاحب امانت کافر ہو جس کا مال مباح ہو مثلاً کافر حربی۔ اسلئے کہ امانت کو اسکے مالک کیطرف ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس حکم میں کسی قسم کی قید اور شرط نہیں ہے۔ بلکہ حکم مطلق ہے) اور روایت فضیل کے بیان کرنیکے بعد فرماتے ہیں عن الصادق ادوا الامانات الی اہلہا وان کانوا مجوسیاً (صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا امانتوں کو اُنکے مالکوں کو واپس دیدو۔ اگرچہ وہ مجوسی ہوں) چونکہ مال کی حفاظت میں ذریعہ اور وسیلہ بننا شریعت کے اعلیٰ مقاصد سے ہے۔ اور تمام مسلمین اور مومنین گویا نفس واحدہ کی مانند ہیں۔ اور ایسے امور میں سعی کرنا جو ایکدوسرے کے مال کی حفاظت کا باعث اور ضائع اور تلف ہونیسے مال کے تحفظ و نگہبانی کا وسیلہ اور ذریعہ ہو۔ اور برادران ایمانی کی امداد و اعانت بموجب مضمون المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً وان اللہ تعالیٰ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ (مومن مومن کیلئے دیوار کی مانند ہے کہ اسکا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط اور تھامے رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتا ہے جب تک کہ وہ اپنے بھائی کا مددگار رہتا ہے) تمدن میں حتمی اور لابدی ہے اور لہو عالم اور مہمات دنیوی کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اور غاصبوں۔ چوروں۔ اور رہزنوں وغیرہ کی جو لوگوں کا مال غصب اور ظلم سے لیجاتے ہیں۔ مدد اور معاونت کرنا اور ان کا امانت دار بننا حرام ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے تعاونوا علی البر والتقوےٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (تم نیکی اور پرہیزگاری پر معاونت و مددگاری کرو اور گناہ اور عدوان پر اعانت اور امداد مت کرو) اسلئے امامیہ اس قول کے قائل ہوتے ہیں کہ اگر مودع

صفحہ ۲۰۲

AsliAhleSunnet.com

یعنی صاحب امانت اس امانت کا غاصب ہے۔ تو بشرط استطاعت و رحتی الامکان غاصب کو اس امانت سے منع کرنا اور روکنا لازم ہے۔ اور اگر غاصب مر جائے۔ اور اسکے وارث اُس چیز کو طلب کریں۔ تو اس شخص پر اُسکا انکار واجب ہے۔ اور اگر اُسکا اصل مالک معلوم ہو جائے۔ تو اُس چیز کو اسکے سپرد کر دے۔ اور اگر مالک کا علم نہ رکھتا ہو تو ایک سال تک اس مال کی تعریف کرے۔ پھر اسکے بعد اُس چیز کا مالک کیطرف سے تصدق کرنا جائز ہے اور اگر مالک ثانی الحال (تصدیق کرنیکے بعد) اس پر راضی نہ ہو۔ تو تصدق کرنے والا ضامن ہے۔ کیونکہ جب یہ علم ہو۔ کہ یہ امانت رکھی ہوئی چیز غصبی ہے۔ پھر اس صورت میں اُسکو صاحب امانت یعنی اس غاصب کے سپرد کرنیمیں مال غیر پر غاصب کو قابض کرنا اور اثم و عدوان پر معاونت کرنا لازم آتا ہے۔ اور اگر غاصب نے غصبی چیز کو اپنے مال کیساتھ شامل کر کے اُس شخص کے حوالے کیا ہو۔ تو اگر امانت دار مال مغصوب کو مال غاصب سے جدا کر سکے۔ تو غاصب کا مال غاصب کے حوالے کرے۔ اور مال مغصوب اسکو ندے۔ اور اگر تمیز ممکن نہ ہو۔ تو علما کی ایک جماعت کے نزدیک سارا مال غاصب ہی کو واپس کرنا واجب ہے۔ اور بعض علما اسوجہ سے کہ اس صورت میں بھی غاصب کو غیر کے مال پر قبضہ دلانا لازم آتا ہے۔ اس امر کے قائل ہوئے ہیں۔ کہ ایسی حالت میں اس مال کو حاکم شرع کیطرف رد کرنا واجب ہے۔ اور یہ قول اقوے ہے۔ امامیہ کے نزدیک اس مسئلہ کی تقریر یہ ہے۔ صاحبان انصاف پر اس بیان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ اس بات میں کسی قسم کی شناعت اور قباحت لازم نہیں آتی۔ بلکہ شناعت اور قباحت اسکے برعکس عمل کرنیمیں لازم آتی ہے۔ کیونکہ اگر غاصبوں چوروں اور رہزنوں کی امانتداری کو جائز رکھا جائے۔ اور انکی امانات کی واپسی کے وجوب کے قائل ہوں۔ تو نظام عالم میں پورا پورا خلل واقع ہو جائے۔ اور جب حکام عادل چوروں اور ڈاکوؤں اور اور قسم کے ظالموں پر غالب ہوں۔ تو وہ نابکار مغصوبہ مالوں کو لوگوں کے پاس امانت رکھکر کسی طرف کو فرار کر جائیں۔ اور جب کچھ مدت کے بعد حکام کیطرف سے اطمینان حاصل ہو جائے۔ تو واپس آکر مسروقہ اور مغصوبہ مالوں پر قابض ہو جائیں۔ اور ایسے موقعوں پر ایسا ہی عمل درآمد کرتے رہیں۔ تو ظالموں چوروں اور ڈاکوؤں کی زجر و تادیب اور سیاست کا فائدہ بالکل مفقود اور کالعدم ہو کر انتظام عالم میں پوری پوری خرابی واقع ہو جائے۔ المختصر یہ حکم آیات قرآنی اور اُن احادیث سے استنباط کیا گیا ہے۔ جو بطرق خاصہ و عامہ نیکی کرنیکے بارے میں اور بر و تقوے پر معاونت کرنے اور اثم و عدوان پر معاونت و اعانت نہ کرنیکے باب میں وارد ہوئی ہیں لیکن آیات خدا فرماتا ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون (اور ضروری ہے۔ کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو۔ جو نیکی کیطرف دعوت کریں اور نیکی کرنے کا

AsliAhleSunnet.com

حکم دیں۔ اور برائیوں سے نہی کریں۔ یہی لوگ فلاح و رستگاری پانیوالے ہیں) اور فرماتا ہے کنتم خیر اُمۃ اخرجت للناس یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر (تم بہترین اُمت ہو۔ جو لوگوں کیلئے نکالی گئی ہو۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور برائی سے منع کرتے ہیں) نیز ارشاد فرماتا ہے خذ العفو وامر بالمعروف و اعرض عن الجاھلین (زائد مال لے۔ اور نیکی کا حکم دے۔ اور جاہلوں سے روگردانی کر) اور خدا فرماتا ہے المومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر (مومن مرد اور مومنہ عورتیں باہم ایکدوسرے کی دوست اور ولی ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور بدی سے منع کرتے ہیں) اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسیٰ بن مریم ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون وکانوا لا یتناھون عن المنکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون (بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے۔ انکو داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر لعنت کیگئی ہے۔ اسلئے کہ انھوں نے نافرمانی کی۔ اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اور جو برائیاں انھوں نے کیں۔ ان سے باز نہ رہتے تھے۔ وہ بیشک بہت بُرا کام کرتے تھے) نیز حق سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فانجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون (پس ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو بدی سے منع کرتے تھے۔ اور ظلم کرنیوالوں کو ان کے فسق اور بدکاریوں کے سبب سخت عذاب میں گرفتار کیا) اور احادیث۔ پس عامہ کے طریقوں سے اسقدر بکثرت ہیں۔ کہ یہاں ان سب کی گنجائش ممکن نہیں اسلئے یہاں چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کیجاتی ہے منجملہ ان کے مسلم نے اپنی صحیح میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان (راوی کہتا ہے۔ میں نے سنا کہ رسول خدا صلعم فرماتے تھے۔ تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے۔ اسکو لازم ہے کہ وہ اسکو ہاتھ سے روکے اگر یہ نہ ہو سکے۔ تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر یہ نہ کر سکے۔ تو قلب سے منع کرے۔ اور یہ شخص سب سے بڑھکر ضعیف الایمان ہے) اور بخاری نے اپنی صحیح میں نعمان بن بشیر سے اور آپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ قال المثل القائم فی حدود اللہ والواقع فیھا کمثل قوم استھموا علی سفینۃ فصار بعضھم اعلاھا وبعضھم اسفلھا فکان الذین فی اسفلھا اذا استقوا من الماء مروا علی فوقھم فقالوا لو انا خرقنا فی نصیبنا خرقاً ولم نؤذ من فوقنا فان ترکوھم وما ارادوا ھلکوا جمیعاً وان اخذوا علی ایدیھم نجوا ونجوا جمیعاً (فرمایا۔ جو شخص حدود الٰہی میں قائم ہے۔ اور اسکے اندر واقع ہے۔ اسکی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ایک کشتی میں گھسے ہوئے ہیں۔ کچھ اوپر ہیں کچھ نیچے۔ پس جب نیچے والے پانی لینا چاہتے ہیں تو ان

AsliAhleSunnet.com

کے اوپر سے گزرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ کاش ہم کشتی کے تختے میں چھید کر دیں۔ اور یہ ہمارے اوپر سے نہ گزریں پس اگر وہ ان کو ایسا کرنے دیں۔ تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔ اور اگر ان کو روکدیں۔ تو سب کے سب نجات پا جائیں نیز مسلم نے جابر سے روایت کی ہے قال اقتتل غلامان غلام من المہاجرین وغلام من الانصار فنادی المہاجر یا للمہاجرین ونادی الانصاری یا للانصار فخرج رسول اللہ فقال صفحہ ۲۰۵
ماھذا دعوی الجاھلیة قالوا لا یا رسول اللہ الا ان غلامین اقتتلا فکسع احدھما الآخر فقال لا باس ولینصر الرجل اخاہ ظالما او مظلوما ان کان ظالما فلینھہ فانہ لہ نصر وان کان مظلوما فلینصرہ (کہ دو لڑکے آپس میں لڑ پڑے۔ ایک لڑکا مہاجرین کا تھا۔ اور ایک انصار کا۔ پس مہاجر نے مہاجرین کو پکارا۔ اور انصاری نے انصار کو آواز دی۔ یہ سنکر رسو لخدا صلعم باہر تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ یہ کیا اہل جاہلیت کا سا جھگڑا ہے۔ انھوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ کچھ نہیں صرف اتنا ہی ہے۔ کہ دو لڑکوں نے باہم لڑائی کی۔ اور ایک نے دوسرے کو مارا۔ فرمایا۔ کوئی ڈر نہیں۔ اور مرد کو چاہیئے کہ اپنے بھائی کی مدد کرے ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر ظالم ہے تو اسکو روکنا اور منع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہی اسکی مدد ہے۔ اور اگر مظلوم ہے۔ تو اسکی نصرت کرنی لازم ہے) اور ترمذی نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اور اس نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے قال والذی نفسی بیدہ لتامرون بالمعروف ولتنھون عن المنکر او لیوشکن اللہ یبعث علیکم عقابا ثم یدعونہ فلا یستجاب بکم (فرمایا قسم ہے مجھکو اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ تم کو لازم ہے۔ کہ نیکی کا امر کرو۔ اور برائی سے منع کرو۔ نہیں تو عنقریب خدا تم پر عذاب نازل کریگا۔ پھر تم اس سے دعا کروگے۔ اور وہ تمھاری دعا کو قبول نہ کرے گا) نیز ترمذی نے روایت کی ہے قال رسول اللہ ﷺ لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی فنھتھم علماؤھم فلم ینتھوا فجالسوھم فی مجالسھم واکلوھم وشاربوھم فضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض ولعنھم علی لسان داؤد وعیسی بن مریم وذلک بما عصوا وکانوا یعتدون فجلس رسول اللہ ﷺ وکان متکئاً فقال والذی نفسی بیدہ لتتناظرنھم علی الحق اطراء ولتقصونہ (کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے۔ تو ان کے علماء نے انکو منع کیا۔ پر وہ منع نہ ہوئے۔ پس وہ بھی انکی مجالس میں شریک ہوئے۔ اور انکے ساتھ ملکر کھایا اور پیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں کو یکساں اور برابر کر دیا۔ اور انکو داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر لعنت فرمائی۔ یہ انکے عصیان وسرکشی اور حد سے گزر جانیکے سبب انکو سزا دیگئی۔ پھر رسو لخدا صلعم تکیہ کو چھوڑ کر سیدھے ہو بیٹھے اور فرمایا۔ مجھکو قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ تم بھی ان سے حق کیخلاف مقابلہ میں مبالغہ کروگے

AsifAhleSunnet.com

اور کوتاہی کروگے۔ نیز ابوداؤد نے ابن مسعود سے روایت کی ہے۔ قال قال رسول اللہ صلعم ان اول
ما دخل النقص علی بنی اسرائیل انہ کان الرجل یلقی الرجل فیقول یا ھذا اتق اللہ ودع ما تصنع
فانہ لا یحل لک ثم یلقاہ من الغد وھو علی حالہ فلا یمنعہ ذلک ان یکون اکیلہ وشریبہ و
قعیدہ فلما فعلوا ذلک ضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض بما عصوا وکانوا یعتدون کانوا لا
یتناھون عن المنکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون ترے کثیرا منھم یتولون الذین کفروا
لبئس ما قدمت لھم انفسھم الی قولہ فاسقون ثم قال کلا واللہ لتأمرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر
ولتاخذن علی ید الظالم ولتاطرنہ علی الحق اطرا ولتقصرنہ علی الحق قصرا ولیضربن اللہ لقلوب بعضھم
علی بعض ثم لیلعنکم کما لعنھم (کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اول ہی اول جب بنی اسرائیل پر نقص اور خرابی وارد
ہوئی تو یہ حال تھا۔ کہ جب ایک شخص دوسرے سے ملتا تو کہتا یہ کیا ہے۔ خدا سے ڈر۔ اور یہ کام جو تو کام کرتا ہے اسکو ترک
کر دے۔ کیونکہ یہ تیرے لئے حلال نہیں ہے۔ پھر جو اگلے روز وہ اس شخص سے ملاقات کرتا تھا۔ تو بالکل اسی کی
مانند ہوتا تھا۔ اور اسکو منع نہ کرتا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا۔ کہ وہ اسکا ہم نوالہ ہم پیالہ اور ہم نشین ہوجاتا تھا
پس جب انھوں نے ایسا عمل کیا۔ تو اللہ تعالیٰ انکی عصیان ورزی اور سرکشی وطغیانی کی وجہ سے اُن کے
دلوں کو اُن کے ہمرنگ اور یکساں کر دیا وہ آپس میں افعال منکرہ سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے
تھے۔ اگر تو ان میں سے اکثر کو دیکھے۔ تو ان کو کافروں کے دوست پائیگا۔ بہت برا ہے جو انکے نفسوں
نے ان کے لئے آگے بھیجا ہے۔ اس آیت کو فاسقون تک تلاوت فرمایا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا ہرگز
نہیں۔ خدا کی قسم تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ضرور عمل میں لاؤ گے۔ اور ظالم کا ہاتھ روکوگے۔ اور حق
پر اس کے ساتھ نہایت زور سے مناظرہ کروگے۔ اور حق پر خوب کوتاہی کروگے۔ اور خدا تمھارے دلوں
کو ایک جیسا اور ہم رنگ کر دیگا۔ پھر تم کو لعنت کرے گا۔ جس طرح اُنپر لعنت کی ہے) اور ابوداؤد
نسائی اور ترمذی نے اسانید صحیحہ کیساتھ ابوبکر صدیق سے روایت کی ہے قال یا ایھا الناس انکم
تقرؤن ھذہ الآیۃ یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم
فانی سمعت رسول اللہ صلعم یقول ان الناس اذا راؤا الظالم فلم یاخذوا علی یدیہ اوشک ان
یعمھم اللہ بعقاب منہ (فرمایا۔ اے لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو۔ اے ایمان والو! تمپر اپنے نفسوں کی
حفاظت لازم ہے۔ جب تم ہدایت یافتہ ہوگئے۔ تو گمراہ شخص تم کو ضرر نہیں پہنچاتا۔ میں نے سنا ہے۔ کہ
رسولخدا صلعم فرماتے تھے۔ کہ لوگ جب ظالم کو دیکھتے ہیں۔ تو اسکے ہاتھوں کو نہیں روکتے عنقریب اللہ
تعالیٰ اپنا عذاب ان کے لئے عام کریگا) اور نووی کی کتاب ریاض الصالحین کے حاشیہ میں مرقوم ہے

AsliAhleSunnet.com

وھو فرض کفایۃ ان علم بہ اکثر من واحد والا ففرض عین والتغیر بالید کتکسیر اوانی الخمر وآلات اللھو فان لم یستطع التغیر بیدہ بان خشی لحاق ضرر ببدنہ او اخذ مال لا لمجرد ھیبۃ فبلسانہ الی بقول المرتجی لنفسہ من صیاح واستغاثۃ وامر من یفعل ذلک وتوبیخ وتذکیر باللہ والیم عقابہ من لین واغلاظ ان کان ینفع ولا فرق فی وجوب الانکار بین ان یکون الآمر ممتثلاً ما امر بہ ومجتنباً ما نھی عنہ ام لا وبین ان یکون کلامہ مؤثراً ام لا وظاھر کلام المصنف الاجماع علی ذلک فقول البعض سقوط الوجوب عند العلم بعدم التاثیر اخذا من احادیث یصرح بذلک لیس فی محلہ ولا بین کون الامر والیا وغیرہ اجماعاً اخذ العموم من الشامل لذلک جمیعہ نعم ان خشی من ترک استیذان بالامام مفسدۃ راجحۃ او مساویۃ من انخرافہ علیہ لم یبعد وجوب استیذانہ حینئذ ویشترط بجواز الانکار ان لا یودی الی شہر سلاح فان ادی ذلک فلا یکون للعامۃ بل یرتبط بالسلطان وشرط وجوبہ تارۃ وجوازہ اخری ان لا یخاف علی نفس ونحو عضو ومال لہ اولغیرہ وان قل مفسدۃ المنکر الواقع انتہی یعنی امر منکر کا انکار فرض کفائی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ شخص اسکا علم رکھتے ہوں۔ اور اگر ایک کے سوا اور کسی کو اسکا علم نہو۔ تو فرض عینی ہے۔ اور ہاتھ سے متغیر کرنا مثلاً ظروف شراب و آلات لہو کا توڑنا ہے۔ پس اگر ہاتھ سے متغیر کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ اسلئے کہ بدن یا اُس کے مال کو ضرر پہنچنے کا خوف ہے۔ نہ کہ صرف اسکی ہیبت ہے۔ پس اس کا متغیر کرنا زبان کیساتھ فرض ہے۔ اسطرح پر کہ زور سے چیخ پکار کرے اور دادخواہی اور فریاد کرے۔ اور دوسرے شخص کو اس کے کرنیکا حکم دے۔ اور اسکو ملامت اور سرزنش کرے۔ اور اس کو خدا کی یاد دلائے اور نرمی یا سختی سے جہنم کا عذاب دردناک یاد دلائے۔ اگر اس سے کچھ نفع متصور ہو۔ آمر یعنی امر کرنیوالا شخص خود ان اوامر پر عامل اور نواہی سے اجتناب کرتا ہو یا نہو دونوں حالتوں میں انکار واجب ہے۔ ایسا ہی اس کا کلام موثر ہو۔ یا نہ ہو۔ ان دونو حالتوں میں بھی انکار واجب ہے۔ اور مصنف کے ظاہر کلام سے مترشح ہوتا ہے۔ کہ اسکو اس بات پر اجماع کا دعویٰ ہے۔ پس بعض علماء جو اس بات کے قائل ہیں۔ کہ جب اثر نہ ہونے کا علم حاصل ہو۔ تو واجب نہیں۔ جیسا کہ بعض احادیث میں واقع ہوا ہے۔ ان کا یہ قول بیموقع ہے۔ ایسا ہی آمر یعنی امر کرنیوالا خواہ والی اور حاکم ہو۔ یا نہ ہو۔ دونو حالتوں میں واجب ہے کیونکہ کلمہ مَنْ (جو کوئی) کی عمومیت اس پر دلالت کرتی ہے۔ کہ یہ حکم عوام اور خواص (علی حسب مراتب) سب کے واسطے ہے۔ کسی کے لئے خاص نہیں۔ بیشک اگر اسکو یہ خوف ہو۔ کہ اگر امام سے اجازت نہ لی۔ تو اس شخص کے اسپر منحرف ہونیسے راجح یا مساوی فساد برپا ہو جائیگا۔ تو اپنے وقت

AsliAhleSunnet.com

صفحہ ۳۰۸
جوازِ کذب بعض صورتوں میں

ہیں اجازت کا حاصل کرنا بعید نہ ہوگا۔ اور انکار کے جائز ہونے میں شرط یہ ہے کہ اسکے عمل میں لانے سے سلاح کشی کی نوبت نہ آجائے اور اگر ایسا ہو تو اس صورت میں انکارِ منکر عام لوگوں پر واجب نہیں ہے۔ بلکہ اُس کا تعلق ایسی حالت میں سلطان (بادشاہ) سے ہوتا ہے۔ اور اسکے وجوب یا جواز کی شرط یہ ہے کہ انکار کرنیوالے اور اس کے علاوہ دیگر اشخاص کو مال۔ جان اور کسی عضو کے تلف ہونیکا ڈر نہ ہو۔ اگرچہ منکر واقع کا مفسدہ کم ہو۔

نووی کتاب ریاض الصالحین میں باب ما یجوز من الکذب (باب کذب جائز کے بیان میں) میں رقمطراز ہے اعلم ان الکذب و ان کان اصلہ محرما فیجوز فی بعض الاحوال بشروط اوضحتہا فی کتاب الاذکار و مختصر ذالک ان الکلام وسیلۃ الی المقاصد وکل مقصود محمود یمکن تحصیلہ بغیر الکذب یحرم الکذب فیہ وان لم یمکن تحصیلہ الا بالکذب جاز الکذب ثم ان کان تحصیل ذلک المقصود مباحا کان الکذب مباحا وان کان واجبا کان الکذب واجبا فاذا اختفی مسلم من ظالم یرید قتلہ او اخذ مالہ او اخفی حفۃ وسئل انسان عنہ وجب الکذب بلخفائہ وکذا لو کان عندہ ودیعۃ واراد الظالم اخذھا وجب الکذب باخفائہا والاحوط فی ھذا کلہ ان یوری و معنی التوریۃ ان یقصد بعبارتہ مقصودا صحیحا لیس ھو کاذب بالنسبۃ الیہ وان کان کاذبا فی ظاہر اللفظ و بالنسبۃ الی ما یفہمہ المخاطب و لو ترک التوریۃ و اطلق عبارۃ الکذب فلیس بحرام فی ھذا الحال بحدیث ام کلثوم انہا سمعت رسول اللہ یقول لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس فینمی خیرا او یقول خیرا زاد مسلم فی روایۃ قالت ام کلثوم ولم اسمعہ یرخص فی شئ مما یقول الناس الا فی ثلاث یعنی الحرب والاصلاح بین الناس وحدیث الرجل امراتہ وحدیث المرأۃ زوجہا۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے۔ کہ جھوٹ اگرچہ اصلاً حرام ہے۔ لیکن بعض موقعوں پر چند شرطوں سے اس کا جواز بھی واقع ہوا ہے۔ جنکو کتاب اذکار میں ہم نے توضیحاً بیان کیا ہے مختصر یہ ہے کہ کلام تحصیل مقاصد کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ جو مقصود محمود بغیر جھوٹ بولنے کے حاصل ہونا ممکن ہو۔ وہاں جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اور اگر جھوٹ بغیر اسکا حاصل ہونا ممکن نہ ہو۔ وہاں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ پس اگر مقصود کا حاصل کرنا مباح ہے تو جھوٹ بولنا بھی مباح ہے۔ اور اگر مندوب و مستحب ہے تو جھوٹ بولنا بھی مندوب و مستحب ہے۔ اور اگر اس مقصود کا حاصل کرنا واجب ہے تو جھوٹ بولنا بھی واجب ہے۔ پس اگر ایک مسلمان کسی ظالم سے پوشیدہ ہو جائے جو اس کے قتل کرنے یا اسکا مال لینے کا ارادہ رکھتا ہو یا وہ اپنا حال چھپائے۔ اور کسی انسان سے اسکی بابت پوچھا جائے۔ تو اُس کے پوشیدہ رکھنے کی غرض سے

AsliAhleSunnet.com

جھوٹ بولنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر اس شخص کے پاس کسی شخص کی امانت ہو۔ اور ایک ظالم اُس کو لینا چاہے۔ تو اُسکے چھپانے کی غرض سے جھوٹ بولنا واجب ہے۔ اور ان تمام صورتوں میں احوط یہ ہے کہ توریہ اختیار کرے۔ اور توریہ کے معنی یہ ہیں۔ کہ اپنی عبارت سے ایک مقصود صحیح مراد لے جسکی نسبت یہ کاذب نہیں ہے۔ اگرچہ ظاہر لفظ اور اس مقصود کے لحاظ سے جس کو مخاطب سمجھتا ہے۔ کاذب ہے۔ اور اگر توریہ کو ترک کرے۔ اور صاف جھوٹ بولے۔ تو اس حالت میں حرام نہیں ہے۔ اور اس پر اُم کلثوم کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے سنا کہ رسولخدا صلعم ارشاد فرماتے تھے جو جھوٹ لوگوں کے درمیان صلح کا باعث ہو۔ وہ جھوٹ نہیں ہے۔ پس بات کو اصلاح اور طلب خیر کے طور پر پہنچائے۔ یا نیک بات کہے اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے اپنی صحاح میں روایت کیا ہے۔ اور مسلم نے یہ عبارت زیادہ کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ میں نے نہیں سنا کہ آنحضرت صلعم نے لوگوں کو کسی موقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت عطا فرمائی ہو۔ سوا تین چیزوں کے۔ یعنی جنگ کے موقع پر۔ اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے وقت۔ اور اظہار محبت و اُلفت کے باب میں مرد کے عورت سے اور عورت کے مرد سے گفتگو کرنے کے موقع پر۔

شیخ ابوالحسن شاذلی جو اہلسنت کے اعاظم علماء سے ہیں کتاب منہج وفیہ شرح رسالہ غریبہ میں فرماتے ہیں۔ وقد قسم ابن رشد الکذب علی خمسۃ اقسام الاول کذب لا یتعلق بہ حق المخلوق وھو الکذب فیما لا مضرۃ فیہ علی احد ولا یقصد بہ وجہ من وجوہ الخیر وھو قول الرجل فی حدیثہ کان کذا وکذا ما لم یکن فھذا محرم بالاجماع الثانی کذب یتعلق بہ حق المخلوق وھو ان یکذب الرجل علی الرجل ینسب الیہ فعل ما لا یفعل او قال ما لم یقل مما یوذیہ او ینقصہ وھو اشد من الاول الثالث کذب یقصد بہ وجہ من وجوہ الخیر للمسلمین کالکذب فی الحرب لتخذیل المشرکین وما اشبہ ذالک فھذا مندوب الرابع کذب الرجل بما یرجو بہ منفعۃ نفسہ ولا ضرر فیہ علی غیرہ ککذب الرجل لامرأتہ فیما یعدھا وکذالک الکذب بین المسلمین المتشاحنین فھذا مستحب الخامس کذب الرجل فی دفع مظلمۃ عن احد مثل ان یختفی عندہ رجل ممن یرید قتلہ او ضربہ فسال عنہ وھو عندہ او یعلم مستقرہ فیقول لا فھذا الکذب واجب انتہی مختصراً ابن رشد نے جھوٹ کی پانچ قسمیں کی ہیں پہلی قسم وہ جھوٹ ہے جس سے مخلوق خدا کا حق متعلق نہ ہو۔ اور وہ ایسا جھوٹ ہو کہ نہ تو اسمیں کسی کا نقصان ہے اور نہ کسی قسم کی نیکی۔ اور وہ محض اس شخص کا قول ہے۔ اپنی بات میں کہ ایسا اور ایسا واقعہ ہوا حالانکہ

AsliAhleSunnet.com

درا صل ایسا نہیں ہوا پس یہ جھوٹ بالاجماع حرام ہے۔ دوسری قسم وہ جھوٹ ہے جس سے مخلوق خدا کا کوئی حق متعلق ہو اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص پر جھوٹ بولے۔ اور اسکی طرف ایسا فعل منسوب کرے جو وہ نہیں کرتا ہے۔ یا ایسی بات کہے۔ جو اسنے نہیں کہی جس سے اسکو ایذا پہنچے۔ یا اس کا کوئی ضرر و نقصان ہو اور یہ جھوٹ پہلے جھوٹ سے زیادہ تر سخت ہے۔ تیسری قسم وہ جھوٹ ہے جس سے مسلمانوں کو کسی قسم کی نیکی اور بھلائی پہنچانی مقصود ہو۔ جیسے لڑائی کے موقع پر جھوٹ بولنا تاکہ مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں اور اسی قسم کے اور مقامات۔ یہ مندوب ہے۔ چوتھی قسم وہ جھوٹ ہے جس میں انسان کو اپنے نفس کا نفع مقصود ہو اور اسمیں کسی دوسرے کا نقصان و ضرر نہو جیسے مرد کا اپنی عورت سے جھوٹے وعدے کرنا نیز دو مسلمانوں کے درمیان جھوٹ بولنا جو باہم دشمن ہوں۔ یہ جھوٹ مستحب ہے۔ پانچویں قسم۔ وہ جھوٹ ہے جس میں جھوٹ بولنے کو کسی شخص سے ظالم کے ظلم کو دفع کرنا مقصود ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص سے ڈر کر اسکے پاس پوشیدہ ہو۔ جو اسکو قتل کرنا یا مارنا چاہتا ہو۔ پس وہ ظالم اگر اس شخص کی نسبت اس سے دریافت کرے حالانکہ وہ اسکے پاس موجود ہے۔ یا اسکے قیام گاہ کو جانتا ہے۔ مگر وہ اسکے جواب میں کہے کہ نہیں پس یہ جھوٹ واجب ہے)

الغرض ان آیات و احادیث اور اقوال علمائے اعلام سے واضح ہو گیا کہ فعل منکر (بد) کا انکار کرنا واجب کفائی ہے۔ اگر ایک شخص سے زیادہ لوگوں کو اس کا علم ہو۔ اور اگر ایک ہی شخص اس سے واقف ہو۔ تو اس حالت میں انکار فرض و واجب عینی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلقاً وجوب انکار میں آگے قول کا اثر کرنا اور امام سے اجازت لینا شرط نہیں ہے۔ اور کتاب ریاض الصالحین کے محشی نے اسکے حاشیہ میں اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ پس جبکہ ایک شخص کسی امر منکر یعنی فعل قبیح پر مطلع ہو جائے۔ اسکا ازالہ کرنا اسپر فرض ہے اور یہ ظاہر ہے۔ کہ ظلم کرنا اور لوگوں کے مالوں کو غصب کرنا تمام منکرات سے عظیم تر اور سخت تر ہے۔ پس اس کا انکار اور ازالہ کرنا اور متغیر کر دینا اور اسکو غاصب کے تصرف سے نکالنا ہر ایک مکلف پر جو اس کا علم رکھتا ہو۔ فرض ہے۔ چونکہ یہ مقصود جو مقصود محمود ہے۔ مال مغصوب کو غاصب کے تصرف سے نکالے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور مسئلہ زیر بحث میں اس کا حاصل کرنا امانت کے انکار بغیر میسر نہیں۔ اسلئے اسکا انکار واجب ہے۔ اس قاعدہ کے موافق جو کہ نووی نے ریاض الصالحین میں قائم کیا ہے۔ کہ مقصود محمود کا حاصل کرنا جھوٹ کے بغیر ممکن نہ ہو۔ تو جھوٹ بولنا واجب ہے۔ باوجودیکہ توریہ کی صورت میں جھوٹ اصلاً متحقق نہیں ہوتا۔ اگرچہ امانت کے انکار میں تشدید واقع ہوئی ہے لیکن فعل منکر کے انکار نکرنے اور اسپر راضی و خوشنود ہونے میں اس سے بھی سخت تر تشدید واقع ہوئی ہے۔ پس ان دونوں صورتوں میں افضل فردیں یعنی انکار منکر کا اختیار کرنا واجب ہوگا۔ جسطرح نص مذکور کے موافق امانت کا واپس کرنا واجب ہے۔ اسی طرح آیات و احادیث

صفحہ ۴۰۲

AsliAhleSunnet.com

کے بموجب جوامر بالمعروف. نہی عن المنکر اور اثم وعدوان پر معاونت کی ممانعت کے باب میں وارد ہوئی ہیں مال مغصوب کا انکار کرنا اور غاصب کے قبضہ سے اسکو نکالنا فرض ہے۔ اور اس مال مغصوبہ کا غاصب اور اسکے وارثوں کو واپس دینا جو اثم وعدوان پر تعاون ومعاونت کے باب میں داخل ہے۔ حرام اور نظام عالم میں خلل وخرابی کا باعث ہے۔ اور اس کا انکار کرنا اسکے انتظام اور امن وچین کے قیام کا موجب ہے۔ پس جو آیات واحادیث وجوب انکار کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ان پر عمل کرنا حتمی اور لازم ہے۔ اور ایک نص کو دوسرے نص پر ترجیح دینے سے مخالفت لازم نہیں آتی کیونکہ نصوص پر عمل اسوقت کیا جاتا ہے جبکہ کسی قسم کا عذر نہ پایا جائے۔ اور صورت موجودہ میں یہ عمل کم از کم اقل قبیحین کے ارتکاب میں داخل ہوگا۔ (یعنی دو بری چیزوں میں سے جس میں برائی کم ہو. اس پر عمل کرنا زیادہ برائی والی کی نسبت نیک ہوتا ہے) جیسا کہ اصول فقہ میں بیان ہوچکا ہے۔ نیز ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر مال مغصوب غاصب یا اُسکے وارثوں کو واپس کردیا جائے۔ تو اسمیں مغصوب منہ (جسکا مال غصب کیا گیا) یعنی اصل مالک کی حق تلفی اور غاصب کو مال غیر پر مسلط کرنا لازم آتا ہے۔ اور وہ حق عباد ہے اور جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے کا گناہ بشرطیکہ اسکو کذب فرض کیا جائے۔ حق خدا ہے۔ اور اصول فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے۔ کہ اگر حق عباد اور حق اللہ دونو متعارض ومتقابل ہوں تو حق عباد کو حق اللہ پر مقدم کرنا اولیٰ اور انسب ہے۔ پس مصنف کو جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے کے جائز رکھنے پر جو تعجب اور استعجاب لاحق ہوا ہے اور وہ اسپر تشنیع فرماہوئے ہیں۔ مندفع اور باطل ہوا۔ حالانکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ آنجناب کو علم اصول میں بہت ہی کم توغل اور دسترس حاصل ہے اور علمائے فحول کے اقوال سے محض ناواقف یا ان سے غافل ہیں۔ اور مصنف نے جو یہ ایراد فرمایا ہے۔ کہ یہ مسئلہ آیۂ کریمہ تؤدوا الامانات الی اھلھا کا منافی اور مخالف ہے۔ وہ بھی مضمحل اور ضعیف ہے اسلئے کہ مال مغصوب جو اس شخص کے پاس رکھا گیا ہے۔ وہ افراد امانت وودیعت سے نہیں ہے۔ کیونکہ ایجاب وقبول باتفاق فریقین ارکان ودیعت سے ہے۔ شرائع میں فرمایا ہے الاول العقد وھو استیذان فی الحفظ ویفتقر الی الایجاب والقبول (اول عقد ہے۔ اور وہ حفاظت میں اجازت لینا ہے۔ اور اس میں ایجاب و قبول کی ضرورت ہے) کتاب کافی میں جو فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب ہے۔ فرماتے ہیں وھوا لایداع تسلیط الغیر علی حفظ المال شرعیۃ ورکنھا الایجاب والقبول (امانت رکھنا غیر شخص کو شرعًا اپنے مال کی حفاظت کرنے پر قبضہ دینا اور مسلط کرنا ہے۔ اور اس کا رکن ایجاب وقبول ہے) اور مودع یعنی امانتدار کو مال مغصوب کی حفاظت کا غاصب کی طرف سے قبول کرنا حرام ہے۔ کیونکہ ودیعت کا قبول کرنا باب اعانت سے ہے۔ صاحب کافی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں ولان قبول الودیعۃ من باب الاعانۃ وھی مندوبۃ لقولہ تعالیٰ تعاونوا علی البر والتقوی وقولہ ؑ ان اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ (کیونکہ ودیعت کا قبول

AsliAhleSunnet.com

کرنا باب اعانت سے ہے۔ اور وہ مندوب ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مدد کرو نیکی اور تقویٰ پر۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ بندے کا مددگار رہے جبتک کہ بندہ اپنے بھائی کا مددگار رہے)۔ اور ظالم اور غاصب کی اعانت جو اثم وعدوان پر اعانت ہے حرام ہے قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علے الاثم والعدوان (اور اسم اور عدوان پر اعانت نہ کرو) اور فعل منکر کے انکار کا واجب ہونا بھی اسکے حرام ہونیکا مقتضی ہے۔ بیضاوی نے منہاج الاصول میں فرمایا ہے النہی یدل شرعًا علے الفساد فی العبادات لان المنھی عنہ لا یکون مامورا بہ و فی المعاملات اذ رجع الی نفس العقد او امر داخل فیہ او خارج لازم کبیع الملاقیح والربوا انتہیٰ۔ (اور نہی شرعًا عبادات میں ان کے فاسد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ منہی عنہ یعنی جس چیز سے نہی کیگئی ہے وہ مامور بہ نہیں ہے۔ یعنی اسکے کرنیکا حکم نہیں دیا گیا۔ اور معاملات میں جبکہ نفس عقد کیطرف راجع ہو یا ایسے امر کی طرف جو اس میں داخل ہے۔ یا اس سے لازمی طور پر خارج ہے جیسے ملاقیح کا بیع کرنا۔ اور سود لینا۔ ان حالات کی بنا پر جو شخص کہ اوامر ونواہی الہیٰ کا پابند اور آثار حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیروکار رہے۔ وہ کبھی غصبی مال کی حفاظت کے قبول کرنیمیں رضامند نہ ہوگا۔ اگرچہ بعض اوقات بعض اشخاص اپنے حفظ نفس اور پاس آبرو کے لحاظ سے بظاہر رضامندی کا اظہار کریں۔ لیکن صمیم قلب اور دلی رغبت سے رضا متحقق نہیں ہوتی۔ پس مومن مال مغصوب کی حفاظت کے قبول کرنیمیں کبھی تو ظاہری اور باطنی دونو قسم کی کراہت سے خالی نہیں رہتا۔ نیز اس صورت میں مغصوب منہ اور غاصب دونوں کی اعانت اور نصرت متحقق ہوجاتی ہے۔ اور وہ شریعت میں محمود اور قابل تعریف ہے۔ صحیح بخاری میں انس بن مالک سے روایت کی ہے قال قال رسول اللہ صلعم انصر اخاک ظالما او مظلوما قال یا رسول اللہ ھذا ننصرہ مظلوما فکیف ننصرہ ظالما قال تاخذ فوق یدیہ (کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اے انس اپنے بھائی کی مدد کر۔ خواہ وہ ظالم ہو۔ یا مظلوم۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم مظلوم کی تو مدد کریں۔ لیکن ظالم کی مدد کیونکر کر سکتے ہیں۔ فرمایا اسکے ہاتھ روک دو) اور ودیعت کو غاصب کی طرف واپس کرنے میں ظلم وتعاون پر تعاون۔ ظالم کی اعانت کرنا اور مظلوم کی ترک نصرت ویاری کرنا اور اسکو ہلاکت میں ڈالنا اور شر ظالم سے اسکو امن نہ دینا لازم آتا ہے۔ یہ بات بموجب احادیث مستفیضہ صحیحہ کے جو آنحضرت علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہیں۔ منع ہے۔ منجملہ انکے بخاری نے اپنی صحیح میں ابن شہاب سے روایت کی ہے ان سالما اخبرہ ان عبد اللہ بن عمر اخبرہ ان رسول اللہ صلعم قال المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ ومن کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیمۃ ومن ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیمۃ (کہ سالم نے اسکو خبر دی کہ عبد اللہ بن عمر نے

عــہ ملاقیح جمع ملقوحہ حاملہ عورتیں ۱۲

AsliAhleSunnet.com

اس سے بیان کیا کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو اس پر ظلم کرے، نہ اسکو بے مدد چھوڑ دے۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت اور حاجت میں کام آتا ہے۔ خدا اسکی حاجت میں کام آتا ہے اور جو کوئی مسلمان کی تکلیف اور سختی کو دور کرے۔ خدا اسکی تکلیف اور سختی کو قیامت کیدن رفع فرمائیگا۔ اور جو کوئی مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کیدن اسکی پردہ پوشی کریگا) نیز اس قسم کی ودیعت رکھنا اطراح کی قسم سے ہے کہ کوئی شخص اپنا مال دوسرے کے گھر میں ڈال جائے اور ان دونو صورتوں میں امامیہ کے نزدیک ودیعت متحقق نہیں ہوتی۔ شرائع میں فرمایا ہے ولو طرح الودیعۃ عندہ لم یلزمہ حفظہا وکذا لو اکرہ علی قبضہا لم یصر ودیعۃ (اور اگر ودیعت کسی شخص کے پاس ڈالدی جائے۔ تو اسکی حفاظت لازم نہیں ہوجاتی۔ اور اسی طرح اگر اس پر قبضہ کرلنے اور اسکو پکڑنے پر مجبور کیا جائے۔ تو اس سے وہ ودیعت نہیں بن جاتی) نیز ایداع یعنی ودیعت رکھنے کی تعریف میں جو حفاظت مال کو اضافہ کیا گیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے۔ کہ وہ مال مالک سے خصوصیت رکھتا ہو اور وہ یعنی ودیعت درحقیقت کسی قسم کے تملک کے بغیر متحقق اور ثابت نہیں ہوتی پس مال مغصوب کی ودیعت رکھنا ودیعت کی تعریف سے خارج ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض علماء نے علمائے امامیہ کے اس قول کی جو اس بات کے قائل ہیں۔ کہ مالک کے مفقود ہونیکی حالت میں ایک سال تک تعریف کرنیکے بعد مال مغصوب کو تصدق کرنا جائز ہے۔ یہ تعلیل کی ہے۔ کہ اس سے غرض یہ ہے کہ مال حتے الامکان اسکے مستحق کو پہنچ جائے اور یہ بات مالک کے پائے بغیر میسر نہیں ہوسکتی۔ چونکہ مالک کے مفقود ہونیکی حالت میں اصل مال کا مالک کو پہنچنا تو متصور نہیں ہے۔ ناچار اسکے ثواب کا مالک کو پہنچنا لازم ہے۔ پس مال مغصوب مالک کے نہ ملنے کی حالت میں لقطہ کے حکم میں ہوگا۔ جسکے بارے میں بالاتفاق امامیہ اور حنفیہ کے نزدیک یہی حکم ہے۔ اور مصنف نے جو یہ تحریر فرمایا ہے "کہ غیر کے مال کو اسکی اجازت بغیر خیرات کرنا شرع میں جائز نہیں ہے" وہ چند وجہوں سے مردود اور باطل ہے۔

وجہ اول یہ کہ مال غیر سے خیرات کا مطلقاً جائز نہ ہونا مسلم نہیں ہے۔ کیونکہ اکثر موقعوں پر شرع اطہر میں مال غیر سے اسکی اجازت کے بغیر خیرات کو جائز رکھنا واقع ہوا ہے۔ اور اسکے شواہد اور ثبوت بہت ہیں منجملہ انکے ایک لقطہ ہے۔ کہ مالک کے مفقود ہونیکی حالت میں ایک سال تک تعریف کرنیکے بعد اسکا خیرات کرنا جائز رکھا گیا ہے۔ ہدایہ فقہ میں جو فقہ حنفیہ کی ایک نہایت معتبر کتاب ہے فرماتے ہیں قال فان کانت اقل من عشرۃ دراھم عرفہا ایاما وان کانت عشرۃ فصاعدا عرفہا حولا (فرمایا اگر دس درہم سے کم ہو تو اسکو چند روز تک تعریف کرے۔ اور اگر دس یا دس سے زیادہ ہو تو ایک سال تعریف کرے) بعد ازاں فرماتے ہیں قال فان جاء صاحبہا والا تصدق بہا ایصالا للحق الی المستحق وھو واجب

AsliAhleSunnet.com

بقدر الامکان وذلک بایصال عینها عند الظفر بصاحبها وایصال العوض وهو الثواب علی اعتبار اجازة التصدق بها ان شاء او امسکها رجاء الظفر بصاحبها انتہی (فرمایا اگر اس کا مالک آجائے. تو اسکے حوالے کردے ورنہ اسکو تصدق کردے. تاکہ حق حقدار کو پہنچ جائے جو حتی الامکان واجب ہے. اور وہ مالک کے مل جانیکی حالت میں اصل مال کا اسکو پہنچانا ہے. اور نہ ملنے کی حالت میں اسکے عوض یعنی ثواب کا پہنچانا ہے. اس اعتبار سے کہ مالک نے اسکے تصدق کرنے کی اجازت دیدی ہے. اور اگر چاہے. تو اسکے مالک کے ملنے کی امید میں اسکو رکھ چھوڑے) نیز فرمایا ہے وان کانت اللقطة شیئاً لا یبقی عرفه فخاف ان یفسد تصدق به (اور اگر لقطہ ایسی چیز ہو جس کی شناخت باقی نہیں رہتی. یہانتک کہ اسکے فاسد ہوجانیکا خوف ہوتا ہے. اسکو تصدق کردے) نیز جس حالت میں کہ غاصب مغصوب چیز کو اسطرح متغیر کردے. کہ اسکا نام اور اس سے جو منافع مقصود تھے. ان میں سے اکثر زائل ہو جائیں. تو حنفیہ کے نزدیک غاصب پر واجب ہے. کہ اسکو اصل مالک کی اجازت کے بغیر تصدق کردے. احمد سے بھی یہی قول مروی ہے منفق اور مفترق میں فرمایا ہے واختلفوا فی الغاصب اذا غیر المغصوب عن صفته بحیث یزول الاسم واکثر المنافع المقصود نحو ان غصبت شاة فیذبحها ویشویها او یطبخها او حنطة فیطحنها فقال ابوحنیفة ینقطع حق المغصوب منهما بذلک ویجب علی الغاصب ان یتصدق بها لانه ملکها ملکا حراما وقال الشافعی و احمد فی اظهر الروایتین لا ینقطع حق المغصوب بذلک وهی لمالکها ویلزم الغاصب ارش النقص وقد روی عن احمد کمذهب ابی حنیفة وقال مالک المالک بالخیار بین ان یاخذ الاعیان الموجودة وبین ان یعرفه القیمة الاکثر ما کانت (اس باب میں آئمہ اربعہ کا اختلاف ہے. کہ جب غاصب مغصوب چیز کی صفت کو اسطرح تبدیل کردے کہ اسکا نام اور اکثر نفع جو اس چیز سے مقصود تھے زائل ہوجائیں. مثلاً ایک بکری غصب کی. اور اسکو ذبح کرکے کباب کرلئے. یا گوشت پکالیا. یا اسکو مار کر بچالے پس ابوحنیفہ کا قول ہے. کہ اس سبب سے حق مغصوب اس سے منقطع ہوجاتا ہے. اور غاصب پر واجب ہے کہ اسکو تصدق کردے. کیونکہ وہ حرام طور پر اسکا مالک ہوگیا ہے اور شافعی اور احمد بموجب اظہر روایت کے یہ کہتے ہیں. کہ اس عمل سے حق مغصوب منقطع نہیں ہوتا. اور وہ چیز اپنے مالک کا مال ہے. اور غاصب پر نقصان کا تاوان لازم ہے اور احمد سے ایک روایت مثل مذہب ابوحنیفہ نقل کی گئی ہے. اور مالک کا قول یہ ہے کہ مالک کو اختیار ہے خواہ موجودہ اصل چیزیں لے لے. یا اصلی قیمت سے زیادہ دام اس سے وصول کرے.)

وجہ دوم یہ کہ مودع (امین) ودیعت رکھنے والا شخص ہی مالک حقیقی کے مفقود ہونیکی صورت میں مالک ہوتا ہے کیونکہ اسوقت وہ امانت لقطے کے حکم میں داخل ہوجاتی ہے. اور لقطہ مالک کے نہ ملنے کی صورت میں ظواہر روایات واحادیث نبوی صلعم کیموافق جو اہلسنت کی کتب معتبرہ میں وارد ہوئی ہیں تعریف کے بعد

صفحہ ۲۱۴

AsliAhleSunnet.com

ملتقط یعنی لقطہ اٹھانیوالے کا مال ہوجاتا ہے پس اس حالت میں وہ صدقہ اپنے مال سے ہوگا۔ بخاری نے زید بن خالد سے روایت کی ہے قال جاء رجل الی رسول اللہ فسئالہ عن اللقطۃ فقال اعرف عفاصھا ووکاءھا فان جاء صاحبھا والا فشانک بھا (راوی کہتا ہے۔ کہ ایک شخص نے خدمت رسولخدا صلعم میں حاضر ہوکر لقطہ کی بابت سوال کیا۔ فرمایا اسکے ظرف اور سرپوش لوگوں کو دکھا۔ اگر اسکا مالک جائے تو خوب ورنہ وہ تیرا مال ہے جو چاہے کر) شیخ عبدالحق دہلوی نے ترجمہ مشکوۃ میں فرمایا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ لقطہ کا اٹھانیوالا تعریف کے بعد اس کا مالک ہوجاتا ہے۔ نیز پہلے مذکور ہوا ہے۔ کہ غاصب جب مغصوب چیز کی شکل وہیئت کو تبدیل اور متغیر کردے۔ تو غاصب ملک حرام کیساتھ اسکا مالک ہوجاتا ہے۔ بلکہ کچھ تھوڑا سا تصرف کرنے اور کچھ خلط ملط کرنیسے غاصب مالک بنجاتا ہے۔ کافی میں جو فقہ حنفیہ کی ایک معتبر کتاب ہے فرمایا ہے۔ سلطان غصب مالا وخلطہ صار ملکا لہ حتی وجبت علیہ الزکوۃ وورث علیہ (سلطان نے کچھ مال غصب کیا۔ اور اُس میں کچھ ملا دیا۔ وہ اسکا مالک بنجاتا ہے یہانتک کہ اسپر واجب ہوجاتی ہے اور اسپر ورثہ دیا جاتا ہے) پس بطریق مجادلہ کہ سکتے ہیں۔ کہ مودع یعنی امین جبکہ ودیعت شدہ مالک کو غاصب اور اسکے وارثوں کو نہ دے۔ اور حیلہ اور غاصب کے تصرف سے نکالنے کی غرض سے غصب کرکے اس میں خلط کرے یعنی کچھ اور اس میں ملادے۔ اتنا تصرف کرنیسے وہ مال مغصوب اسکی ملک ہوجاتا ہے۔ پس اس مال کو ابوحنیفہ کے مذہب کیموافق خیرات کرنا جائز بلکہ واجب ہے پس مصنف کی تشنیع مندفع اور باطل ہوگئی۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب افادت مآب کو جو اپنی عمر عزیز کو عرصہ دراز سے شب و روز درس وتدریس اور وعظ ونصیحت میں صرف فرماچکے ہیں اور فرمارہے ہیں۔ اصول کے فروع کی تفریع اور متعارضات کی ترجیح سے ذرا بھی بہرہ اور حصہ نہیں ہے۔ اور باوجود اس تمام طبع وقاد کی باریک بینی اور دقت اور ذہن نقاد کی تیزی اور حدت کے آسمان ہفتم پر کوس لمن الملکی بجالارہے ہیں۔ اور اپنے آپکو ریاست کے قابل فقہ واجتہاد کا صدر اور آئمہ اربعہ کا پانچواں سمجھتے ہیں۔ ان ھذا الشی عجاب۔

نیز ہم عرض کرتے ہیں کہ حدیث ادالاماتہ الی من ایتمنک جو مصنف نے احتجاج میں پیش کی ہے۔ اکثر صنادید محدثین مثل شافعی واحمد کے نزدیک ثابت نہیں ہوئی۔ اور ابن حزم۔ ابن قطان اور بیہقی نے اس حدیث کو معلل جانا ہے۔ کیونکہ اسکی سند میں قیس بن ربیع اور شریک واقع ہیں۔ اور ترمذی کا اس حدیث کو حسن جاننا ان صنادید احادیث کے اقوال کے مقابلے میں معتبر نہیں ہوسکتا۔ اور بالفرض اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے۔ تو بھی حجت نہیں ہوسکتی۔ اسلئے کہ مال مغصوب پر امانت کا نام صادق نہیں آتا۔ اور خیانت مال غیر مستحق کے لینے میں ہوتی ہے۔ کتاب نجم وہاج شرح منہاج میں جو فقہ شافعیہ کی کتب معتبرہ

AsliAhleSunnet.com

سے ہے۔ فرمایا ہے وان استحق عینا فلہ اخذھا مستقلا بھا ان لم یخف فتنۃ والا وجب لرفع الی قاض لتمکنہ الخلاص بہ او دینا حالا علی غیر ممتنع او علی منکر ولا بینۃ اخذ جنس حقہ من مالہ عند الظفر بہ و کذا من غیر جنسہ وقال احمد لا یاخذ من جنسہ ولا من غیر جنسہ لقولہ صلعم اد الامانۃ الی من ایتمنک ولا تخن من خانک واجاب الشافعی بان الحدیث غیر ثابت ولو کان ثابتا لم یکن حجۃ اذ دلت السنۃ و اجماع کثیر من اھل العلم علی ان من اخذ حقہ لیس بخائن انما الخیانۃ من یاخذ مالا یستحق والعجب من استدلال احمد بالحدیث وھو یقول انہ باطل لا یعرف من النبی صلعم من وجہ صحیح واعلہ ابن حزم وابن القطان والبیہقی بقیس بن الربیع وشریک وغیرھما انتہی (اور اگر وہ کسی عین مال کا مستحق ہو تو وہ خود اسکو لے لے اگر فتنہ کا خوف نہ ہو۔ ورنہ قاضی کی طرف لیجانا واجب ہے۔ کیونکہ وہ اسکے خلاص کرانے پر قادر ہے۔ یا کسی دین کا حقدار ہو۔ جو کسی غیر منکر شخص کو دیا گیا ہے۔ یا منکر کو اور اس پر کوئی بینہ اور شہادت نہیں ہے تو وہ اس مال کے ملجانیکی حالت میں اس مال سے اپنے حق کی جنس یا اسکی غیر جنس لیلیوے اور احمد کا قول ہے کہ نہ تو اسکی جنس سے لے۔ اور نہ غیر جنس سے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ "امانت کو صاحب امانت کی طرف واپس کر دے۔ اور جو کوئی تیری خیانت کرے۔ اسکی خیانت نہ کر۔ اور شافعی نے یہ جواب دیا ہے۔ کہ یہ حدیث غیر ثابت ہے۔ اور اگر ثابت ہو۔ تو بھی حجت نہیں۔ کیونکہ سنت اور بہت سے اہل علم کا اجماع اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ جو شخص اپنا حق لے وہ خائن نہیں۔ کیونکہ خیانت تو یہی ہے۔ کہ کوئی شخص وہ چیز لے جسکا وہ حقدار اور مستحق نہیں ہے۔ اور احمد کے اس حدیث سے استدلال کرنے پر تعجب ہے۔ حالانکہ وہ قائل ہے۔ کہ یہ حدیث باطل ہے۔ اور صحیح طریق کیساتھ آنحضرت صلعم سے روایت نہیں کی گئی۔ اور ابن حزم۔ ابن القطان۔ اور بیہقی نے قیس بن ربیع اور شریک وغیرہما کے سبب اسکو معلل جانا ہے۔

حدیث پیش کردہ مصنف ضعیف ہے

قول مصنف تحفہ

نیز یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کے مال کو غصب کرکے اپنے مال میں اسطرح ملالے کہ دونوں میں تمیز ہونی ممکن نہو مثلاً دودھ دودھ سے۔ روغن روغن سے۔ دہی دہی سے۔ گیہوں گیہوں سے۔ پانی پانی سے۔ شکر شکر سے حاکم اس تمام چیز کو مغصوب منہ کو دلادے۔ سبحان اللہ! اسجگہ صریحاً غاصب پر ظلم ہوتا ہے۔ کیونکہ مغصوب منہ کا غاصب کے مال میں کوئی حق نہیں ہے۔ اور اسکے ظلم کا علاج اسپر ظلم کرنیسے نہیں کرسکتے۔ انتہی کلامہ

مسئلہ غصب پر تشنیع کا جواب

جواب باصواب

مصنف نے جو کچھ یہاں تحریر فرمایا ہے اور اسکو امامیہ سے منسوب کیا ہے۔ کتب امامیہ اسکے برخلاف اظہار کررہی ہیں۔ شرائع الاسلام میں فرمایا ہے اذا غصب دھنا کالزیت والسمن فخلطہ بمثلہ فھما شریکان وان خلطہ بادون واجود

AsliAhleSunnet.com

قیل یضمن المثل لتعذر تسلیم العین وقیل یکون شریکاً فی فضل الجودۃ ویضمن المثل فی فضل الرداءۃ الا ان یکون یرضی المالک باخذ العین او خلط بغیر جنسہ لکان مستھلکا وضمن المثل (اگر کوئی شخص روغن زیت یا گھی کو غصب کر کے ویسی ہی جنس سے مخلوط کر دے پس وہ دونو شریک ہیں۔ اور اگر اسکو اس سے گھٹیا یا بڑھیا چیز میں ملائے تو بعض علماء کا قول یہ ہے کہ وہ مثل کا ضامن ہے۔ اسلئے کہ عین کا سپرد کرنا متعذر اور ناممکن ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ عمدگی کی زیادتی میں شریک ہے۔ اور ردائت اور ناقص پن کی زیادتی میں مثل کا ضامن ہے لیکن اگر مالک عین کے لینے پر رضامند ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر وہ اسکو غیر جنس سے ملا دے۔ اور وہ مستہلک ہو جائے یعنی رل مل جائے۔ تو مثل کا ضامن ہے) جامع عباسی میں فرمایا ہے" اور اگر غاصب اسکو اسکی برابر یا بہتر چیز کیساتھ مخلوط کر دے۔ تو وہ اسکے مالک کیساتھ شریک ہے اور اس صورت میں اگر وہ مالک کا حق اعلے سے دے۔ تو اس پر قبول کرنا واجب ہے۔ اور اگر اس سے کم قیمت میں ممزوج کرے۔ تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس عین کو لیلے۔ یا اسکا تاوان یا تاوان کیساتھ اسکا عوض اور اگر اپنے حق سے زیادہ طلب کرے حرام ہے۔ اور اگر غیر جنس کیساتھ مخلوط کرے تو حکم یہ ہے کہ مالک اس چیز کو واپس لے پس اس صورت میں وہ مثل کا ضامن ہے۔ ارشاد الاذہان میں فرمایا ہے ولو مزجہ بالمثل تشارکا وکذا بالاجود علے رای او بالردی او بغیر الجنس ضمن المثل (اور اگر اسکو مثل کیساتھ ممزوج کرے۔ تو وہ دونو آپس میں شریک ہیں۔ اور اسی طرح بہتر کیساتھ ملانے کی صورت میں ایک قول کیموافق یا اگر وہ ناقص یا غیر جنس کیساتھ ممزوج کرے۔ تو مثل کا ضامن ہے)

اور اگر بالفرض اس حکم کو جو مصنف نے امامیہ سے غلط طور پر منسوب کیا ہے۔ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس حکم میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ یہ قول اسپر مبنی ہے کہ غاصب کو مال کے لینے سے تعزیر اور عقوبت دیجائے۔ اور زجر و توبیخ میں مبالغہ عمل میں آئے۔ تاکہ غاصب اپنے اعمال کے مکافات و مجازات اور مال و منال کے ضائع ہونیکے خوف سے لوگوں کے مالوں کو غصب کرنیسے ہٹ جائے۔ اور اس باب میں حضرت سید الانام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام اور اصحاب کرام علیہم رضوان اللہ الملک العلام کیطرف سے اجازت واقع ہو چکی ہے اور اس کیموافق عمل اور حکم وقوع پذیر ہو چکا ہے۔ منہج الوفیہ شرح رسالہ غربیہ میں ارشاد فرماتے ہیں وفیھا ای وقت الاضحیۃ بعد نحر الامام فمن ذبح قبلہ لم یجزہ وھذا التقیید ویوخذ منہ العقوبۃ بالاموال لانہ مامور بالاتباع فی اضحیتہ فان خالف عوقب باعادۃ الاضحیۃ وقد امر عمر رضی اللہ عنہ باراقۃ لبن مغشوش وقد جاء الحدیث باخذ ثیاب من صاد من حرم المدینۃ انتہی (قربانی کا وقت امام کے نحر کرنیکے بعد ہوتا ہے جو کوئی

AsliAhleSunnet.com

بطور تعزیر مال لینا حنفیوں کے نزدیک جائز ہے

اس سے پہلے ذبح کرے۔ وہ کافی نہیں۔ اور یہ تعبدی حکم ہے۔ اور اس سے اموال بطور عقوبت لئے جائیں۔ کیونکہ قربانی کے ذبح کرنے میں متابعت پر مامور ہے۔ پس اگر وہ مخالفت کرے۔ اسکو اعادۂ قربانی کی سزا دیجائیگی اور عمر رضی اللہ عنہ نے مغشوش یعنی ملاوٹ والے دودھ کو گرانیکا حکم فرمایا ہے۔ اور حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ جو شخص حرم مدینہ میں شکار کرے۔ اسکے کپڑے لے لئے جائیں) جامع الاصول میں صالح بن محمد بن زائدہ سے روایت کی ہے قال دخلت مع مسلمۃ ارض الروم فاتی برجل قد غل فسال سالماً عن ذلک فقال انی سمعت ابی یحدث عن ابیہ عمر ان رسول اللہ قال من غل فاحرقوا متاعہ واضربوہ قال فوجدنا فی متاعہ مصحفاً فسال سالماً عنہ فقال بیعوہ وتصدقوا بثمنہ اخرجہ الترمذی وابوداؤد (راوی کہتا ہے کہ میں مسلمہ کے ہمراہ ارض روم میں گیا۔ ایک شخص کو لائے۔ جس نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی پس سالم سے اسکی بابت پوچھا گیا۔ اسنے جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ وہ اپنے باپ عمر کیطرف سے بیان کرتا تھا۔ کہ رسول خدا نے فرمایا ہے۔ کہ جو کوئی خیانت کرے اسکا متاع واسباب جلادو اور اسکو مارو راوی کہتا ہے کہ ہمکو اس شخص کے اسباب میں قرآن ملا۔ پس سالم سے اسکی نسبت دریافت کیا گیا اس نے جواب دیا۔ کہ اسکو فروخت کرکے اسکی قیمت تصدق کردو۔ اس حدیث کو ترمذی اور داؤد نے تخریج کیا ہے) نیز عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کی ہے ان رسول اللہ صلعم وابابکر وعمر حرقوا متاع الغل وضربوہ زاد فی روایۃ ومنعوہ سہمہ اخرجہ ابوداؤد (رسول خدا صلعم اور ابوبکر وعمر نے غنیمت میں خیانت کرنیوالے کے اسباب کو جلایا اور اسکو مارا۔ اور ایک روایت میں یہ زیادہ کیا ہے۔ اور اسکا حصہ بند کرلیا" ابوداؤد نے اسکو روایت کیا ہے) اور کتاب خلاصہ میں جو فقہ حنفیہ کی ایک معتبر کتاب ہے فرمایا ہے۔ یجوز التعزیر باخذ المال ان رای الوالی ومن جملتہ ما یجوز فیہ ذلک عدم حضور الجماعۃ وقال الزاہدی عن ابی یوسف ان التعزیر یجوز للسلطان ولم یذکر کیفیتہ (اگر والی کی رائے ہو۔ تو مال لئے جانے کی تعزیر جائز ہے۔ اور منجملہ ان قصوروں کے جن میں ایسی سزا جائز ہے۔ جماعت کی غیر حاضری ہے۔ اور زاہدی نے ابویوسف سے روایت کی ہے۔ کہ یہ تعزیر بادشاہ کیلئے جائز ہے۔ اور اسکی کیفیت بیان نہیں کی) اور شرح مختصر وقایہ میں فرمایا ہے وعنہ ای عن ابی یوسف انہ یجوز التعزیر باخذ المال انتہیٰ (اور ابویوسف سے روایت ہے کہ اخذ مال کی تعزیر جائز ہے) امام رازی نے تفسیر کبیر میں سورۂ نساء کی تفسیر کے ضمن میں روایت کی ہے انہ علیہ السلام قال من منع منا الزکوٰۃ فانا اٰخذھا وشطر من مالہ (کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہم سے زکوٰۃ کو بند کرے۔ پس ہیں اس سے زکوٰۃ اور اس کے مال کا کچھ حصہ لینا ہوں) اس حدیث کو نقل کرنیکے بعد امام رازی فرماتے ہیں ثم ان اخذ شطر المال من مانع الزکوٰۃ

AsliAhleSunnet.com

غیر جائز ولکنہ فعل للمبالغۃ فی الزجر انتہی (اگرچہ زکوٰۃ کو روکنے والے شخص سے اسکے مال کا کچھ حصہ لینا جائز نہیں ہے لیکن حضرت نے زجر اور تنبیہ میں مبالغہ کرنے کی وجہ سے ایسا عمل فرمایا) صاحبان خبرت اور اصحاب فطنت خوب جانتے ہیں۔ کہ زکوٰۃ کا منع کرنا اور غنیمت میں خیانت کرنا ظلم ہے۔ اگر اخذ مال کی تعزیر ظلم ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ اس کا علاج نصف مال یا کچھ مال لینا اور غال یعنی غنیمت میں خیانت کرنیوالے کے اسباب کو جلانے اور اسکے حصہ کو روکنے سے کرنا گویا ظلم کا علاج ظلم سے ہوگا۔ کیونکہ لینے والے اور جلانے والے کا مانع زکوٰۃ اور غنیمت میں خیانت کرنیوالے کے مال میں کوئی حق نہیں ہے پس ایسے ایسے موقعوں پر تشنیع کرنا اور ان اقوال کو دساتیر صابئیں وپنڈائیت اور شاستر ہنود اور یہودیت کے مماثل اور مانند جاننا کمال دینداری پر دلالت کرتا ہے۔ نیز ایسے ایسے اقوال کو اس باب میں جو خاص کر خصائص امامیہ کیلئے معقود اور موضوع ہے۔ ذکر کرنا محض لغو اور بالکل عبث ہے۔

قول مصنف تحفہ

نیز اگر ایک شخص اپنی کنیز کو دوسرے شخص کے پاس امانت رکھے اور اسکو پروانگی دیدے کہ جب چاہے اس کنیز سے جماع کرے ان کے نزدیک جائز ہے۔ اور اُس امانت دار کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ اُس کنیز کے ساتھ بیباکانہ صحبت رکھا کرے انتہی۔

جواب باصواب

کنیز کے امانت رکھنے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں یعنی بالاتفاق جائز ہے اور مصنف نے یہ جو لکھا ہے۔ کہ "پروانگی دے" یہ قول مردود اور باطل ہے۔ اگر اس سے مصنف کی غرض یہ ہے۔ کہ امین کو محض مالک کی پروانگی دینے سے عقد تحلیل کا صیغہ پڑھے بغیر اس کنیز کیساتھ مجامعت کرنا امامیہ کے نزدیک جائز ہے۔ تو یہ کذب محض اور افترائے صریح ہے۔ اور اگر یہ مقصود ہے۔ کہ عقد تحلیل کا صیغہ واقع کرنے کے بعد امین کو اس کنیز مملوکہ کیساتھ وطی کرنا امامیہ کے نزدیک مباح ہے۔ تو اسمیں کسی قسم کی قباحت اور مخالفت شرع لازم نہیں آتی۔ کیونکہ تحلیل اکثر امامیہ کے نزدیک مطلق نکاح کی ایک قسم ہے۔ اور پیشتر ہدایہ فقہ وغیرہ کتب معتبرہ اہلسنت سے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ام ولد کا نکاح اور تزویج غیر کیساتھ جائز ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی کنیز بلکہ اُم ولد کو کسی شخص کے پاس امانت رکھے۔ اور تزویج بھی کر دے۔ اس امانت دار کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ اس کنیز اور اُس کی حرم سے جس نے اس شخص کے ہاں بچہ جنا ہے۔ بیباکانہ صحبت رکھا کرے۔ باوجودیکہ عطا بن ابی رباح بھی جو امام اعظم ابو حنیفہ کا استاد اور شیخ ہے۔ تحلیل کے جائز ہونیکا قائل ہے۔ اور کنیز کا امانت رکھنا اور تحلیل اسکے نزدیک جائز ہے۔ پس اس مسئلہ کا اس باب میں جو خصائص امامیہ کیلئے مقرر کیا گیا

AsliAhleSunnet.com

ہے محض لغو اور عبث ہے۔

قول مصنف تحفہ ایسا ہی اگر ایک شخص دوسرے شخص سے کہے کہ میں نے اس کنیز کے تمام منافع تجھکو بحل کر دئے۔ اس کو اس کنیز سے جماع کرنا حلال طیب ہو جاتا ہے۔ اور کنیزوں کی فرج کا عاریتاً دینا خواہ بالخصوص خواہ تمام منافع کے ضمن میں اُن لوگوں کے نزدیک جائز ہے اور اُم ولد کو بھی عاریتہً دینا درست ہے۔ اور یہ تمام احکام نص قرآنی کے برخلاف ہیں والذین لفروجھم حافظون الاعلی ازواجھم او ما ملکت ایدیھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ھم العادون انتہی کلام (اور جو لوگ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں پر یا جو ان کی مملوکہ ہیں۔ پس وہ لوگ نا قابل ملامت ہیں۔ پس جو کوئی اس حد سے تجاوز کرے۔ پس وہ لوگ حد سے نکل جانیوالے ہیں)

جواب باصواب تحلیل کی حقیقت اسطرح پر ہے۔ کہ ایک شخص دوسرے شخص کیلئے اپنی کنیز سے مباشرت کرنا حلال کر دے۔ اور اسکے جواز کیلئے چند شرطیں ہیں

شرط اول۔ ایجاب ہے۔ مثلاً کنیز کا مالک کہے احللت لک وطی امتی فلانہ (میں نے اپنی فلاں کنیز سے وطی کرنا جائز کیا)

شرط دوم۔ قبول ہے۔ مثلاً وہ شخص کہے۔ قبلت (میں نے قبول کیا)

شرط سوم۔ یہ ہے کہ وہ کنیز شوہر دار نہ ہو۔

شرط چہارم۔ یہ ہے کہ جو شخص تحلیل کرتا ہے وہ اس کنیز کا مالک ہو۔ ان کے سوا اور بھی شرطیں ہیں جو بہ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ جو صاحب چاہیں۔ وہاں مطالعہ فرمائیں۔

جب یہ شرائط متحقق ہو جائیں۔ تو اس شخص کو اس کنیز سے مباشرت کرنی مباح ہو جاتی ہے۔ اور اب مالک خریدے بغیر اس کنیز سے وطی نہیں کر سکتا۔ اور اگر کسی شخص نے ایک کنیز کی خدمت کو کسی شخص پر حلال کر دیا ہو۔ تو یہ شخص اس کنیز سے وطی نہیں کر سکتا۔ اور علمائے امامیہ میں اس امر میں اختلاف ہے۔ کہ یہ قسم نکاح میں داخل ہے۔ یا ملک یمین میں بعض علما مثل سید مرتضیٰ قائل ہیں کہ نکاح میں داخل ہے۔ اور اسکا مالک اسکا اور اسکے مہر کا مالک ہے۔ اسنے اسکا مہر ناکح کو بخش دیا ہے۔ فتاوائے عالمگیریہ میں فرمایا ہے وللمولے ان یھب صداق امتہ من زوجھا وکذلک مدبرۃ وام ولدہ (اور مالک کو اختیار ہے کہ اپنی کنیز کا مہر اسکے شوہر کو بخشدے۔ اور اسی طرح اپنی مدبرہ اور اپنی ام ولد کنیز کا مہر معاف کرنیکا اختیار ہے) اور بعض علماء کا یہ قول ہے کہ وہ ملک یمین میں داخل ہے۔ اسلئے کہ ملک کی دو قسمیں ہیں (۱) ملک یمین (۲) ملک منفعت اور یہ قسم ملک منفعت میں داخل ہے۔ اور ملک منفعت عام ہے۔ خواہ ملک اصل کے تابع ہو۔ یا منفرد ہو بغیر

AsliAhleSunnet.com

تبعیت - اسی تعمیم کی بنا پر حق سبحانہ وتعالیٰ نے اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فرمایا ہے - اور اگر ملک عین سے خاص ہوتی تو مَن مَلَکَتْ ایمانھم ارشاد فرماتا - اسلئے کہ لفظ مَنْ ذوی العقول سے خاص ہے - برخلاف مَا کے - کہ وہ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونو کیلئے مستعمل ہے - کنز العرفان میں فرمایا ہے ھل ھو داخل فی ملک الیمین لان الملک یشتمل علی العین والمنفعۃ والتحلیل تملیک منفعۃ ولذلک قال اَوْ مَا مَلَکَتْ ایمانھم ویؤیدہ روایات الاصحاب المتظافرۃ وحینئذ نقول ملک المنفعۃ اعم من ان یکون تابعاً لملک الاصل او منفرداً انتہیٰ (آیا وہ ملک یمین میں داخل ہے؟ اسلئے کہ ملک کی دو قسمیں ہیں (۱) ملک عین (۲) ملک منفعت اور تحلیل تملیک منفعت ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (یا وہ چیزیں جنکے تمہارے دونو ہاتھ مالک ہوں) اور ہمارے اصحاب کی روایات کثیرہ اس پر دال ہیں - اور اب ہم کہتے ہیں کہ ملک منفعت عام ہے - خواہ وہ ملک اصل کے تابع ہو - یا ملک اصل کے تابع نہ ہو - اور بالکل اس سے جدا ہو) فتاوےٰ حمادیہ میں بھی تملیک عین اور تملیک منفعت دو قسمیں کرکے فرماتے ہیں - فی شرح الطحاوی قال الشیخ الامام التملیک علی ضربین تملیک منفعۃ وتملیک عین وکل وجہ علی وجھین اما ان یکون ببدل او غیر بدل فتملیک العین ببدل ھو البیع وتملیک العین بغیر بدل الھبۃ والصدقۃ والوصیۃ وما اشبہ ذلک واما تملیک المنفعۃ ببدل فھی کالاجارۃ وتملیک المنفعۃ بغیر بدل ھی العاریۃ - (شرح طحاوی میں ہے شیخ امام نے فرمایا ہے - کہ تملیک کی دو قسمیں ہیں (۱) تملیک منفعت (۲) تملیک عین اور ان دونو میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو بالعوض ہو (۲) یا بغیر عوض پس تملیک عین بالعوض بیع ہے - اور تملیک عین بغیر عوض ہبہ - صدقہ - وصیت وغیرہ - اور تملیک منفعت بالعوض وہ مثلاً اجارہ ہے اور تملیک منفعت بغیر عوض عاریت ہے)

الغرض نکاح حنفیہ کے نزدیک ایسے لفظ سے منعقد ہوتا ہے - جو تملیک پر دلالت کرے - خواہ صریحاً دلالت کرے خواہ بطریق کنایہ مثلاً نکاح - تزویج - ہبہ - عطا - بیع - شرے - صدقہ - اجارہ - قرض - سلم کے الفاظ سے - اور بقول بعض علماء لفظ صرف سے بھی - اور فتاوےٰ ولوالجی میں فرمایا ہے وینعقد بکل لفظ یصح لتملیک الاعیان نحو الھبۃ والصدقۃ ولفظ التملیک اما لفظ البیع والشری فاختلف المشائخ فیہ ایضاً قال بعضھم ینعقد النکاح وعن ابی حنیفۃ انہ قال کل لفظ یملک بہ شی ینعقد النکاح فیدل ھذہ الروایۃ علی ان النکاح بلفظ الاجارۃ ینعقد انتہیٰ (اور نکاح ہر ایک اس لفظ کیساتھ منعقد ہوجاتا ہے - جو تملیک اعیان کیلئے صحیح ہو - جیسے ہبہ صدقہ اور لفظ تملیک لیکن لفظ بیع وشری میں بھی مشائخ کا باہم اختلاف ہے بعض کہتے ہیں - کہ ان سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے - اور ابو حنیفہ سے روایت ہے

AsliAhleSunnet.com

کہ ہر دو لفظ جس سے چیز ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس سے نکاح بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے۔ کہ نکاح لفظ اجارہ سے بھی منعقد ہو جاتا ہے) اور کرخی جو رئیس الفقہائے اہل سنت ابو حنیفہ کے تلامذہ معتبر سے ہے۔ اسکے مذہب کیموافق نکاح لفظ عاریت سے بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ شرح کنز میں فرمایا ہے ولا ینعقد بلفظ الاجارۃ والاعارۃ فی الصحیح خلافاً للکرخی فیھما (اور نکاح صحیح قول کیموافق لفظ اجارہ اور اعادہ سے منعقد نہیں ہوتا۔ برخلاف کرخی کے۔ کہ اسکے نزدیک ان دونو لفظوں سے منعقد ہو جاتا ہے صاحبان عقل و دانش خوب جانتے ہیں کہ نکاح۔ بیع۔ شرے۔ ہبہ۔ صدقہ۔ عطا۔ قرض۔ رہن اور اجارہ وغیرہ الفاظ حقائق عرفیہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک لفظ ایک مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ جس کے لئے وہ وضع کیا گیا ہے۔ اور اپنے مفہوم کے سوا دوسرے مفہوم پر عرفاً اور شرعاً دلالت نہیں کرتا۔ جب کہ ان الفاظ سے جو عرفاً اور شرعاً نکاح اور تزویج پر دلالت نہیں کرتے۔ حرائر یعنی آزاد عورتوں میں کہ جن میں احتیاط کی رعایت زیادہ تر مدِ نظر ہوتی ہے عقدِ نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ تو پھر اگر بعض لوگ لفظ احللت لک وطی جاریتی فلانۃ سے جو جواری کی حلیت مباشرت۔ انکاح۔ اور تملیک منفعت پر صریحاً دلالت کرتا ہے۔ نکاح جواری کی بعض قسموں کو اس عبارت سے منعقد کریں۔ تو اسمیں کسی قسم کی قباحت و شناعت لازم نہیں آتی محض منع و استبعاد قابل سماعت نہیں ہو سکتا جبتک کہ کتاب و سنت سے کوئی واضح دلیل پیش نہ کیجائے۔ نیز صاحبان انصاف و عقل پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ اگر ایک کنیز کا مالک دوسرے شخص سے کہے احللت لک فرج جاریتی یا وطی جاریتی (میں نے اپنی کنیز کی فرج یا وطی کو تیرے لئے حلال کیا) اور ایک عورت کا ولی دوسرے شخص سے کہے وھبتک یا اعرتک وطی ابنتی (میں نے اپنی بیٹی کی وطی تجھ پر ہبہ کی۔ یا تجھ کو عاریۃ دی) ان دونو جملوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اب دوسری صورت کے جواز کا قائل ہونا۔ اور پہلی صورت کو ناجائز قرار دینا محض تحکم ہے اور عقل و انصاف سے دور۔ اور مصنف نے جو یہ توہم فرمایا ہے۔ کہ تحلیل جواری آیۂ والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العادون کے مخالف ہے وہ اس تقریر سے جو پہلے مذکور ہوئی۔ مضمحل اور زائل ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ عطا بن رباح بھی تحلیل جواری جواز کا قائل ہے جو رئیس الفقہاء ابو حنیفہ کے مشائخ اور اساتذہ سے ہے۔ اور امام صاحب نے اسکے حق میں ارشاد فرمایا ہے ما رایت فیمن لقیت افضل من عطا بن رباح (میں نے جن لوگوں سے ملاقات کی ہے۔ عطا بن رباح سے افضل شخص نہیں دیکھا جیسا کہ شیخ دہلوی کے رجال المشکوٰۃ میں ہے۔ نیز رجال مذکور میں ترجمہ عطا بن رباح میں مرقوم ہے۔ وکان احد الاعلام ومن اجلاء الفقہاء وکان ثقۃ فقیھا عالما کثیر الحدیث وقال الاوزاعی

صیغۂ عقد تحلیل پر مزید روشنی

عطا بن رباح استاد ابو حنیفہ جواز تحلیل کا قائل ہے

AsliAhleSunnet.com

صفحہ ۲۱۶ حالات و مراتب عطا ابن ابی رباح

یوم مات ہو مات ارضی اہل الارض عند الناس (وہ نہایت ذکی عالم اور جلیل الشان فقیہ تھا۔ اور وہ ثقہ فقیہ اور کثیر الحدیث عالم تھا۔ اور جس روز اس کا انتقال ہوا۔ تو اوزاعی نے کہا۔ کہ آج لوگوں کے نزدیک پسندیدہ ترین اہل زمین نے انتقال کیا) نیز صاحب طبقات التابعین نے عطا بن رباح کے حالات میں لکھا ہے "کہتے ہیں۔ کہ مفتی اور فقیہ کا منصب مکہ میں مجاہد اور عطا پر منحصر تھا۔ جب ربع مسکون کی خلقت حج میں آتے تھے۔ تو امرائے بنی امیہ کیطرف سے منادی خیمہ بہ خیمہ یہ کہتا ہوا پھرتا تھا۔ کہ عطا بن ابی رباح کے سوا کوئی اور شخص مسئلہ کا جواب نہ دے۔ اور نہ کوئی اسکے سوا فتویٰ لکھے" انتہی۔ یہ بزرگوار بھی تحلیل جواری کے جائز ہونیکا قائل ہے۔ اور اپنی کنیزوں کو تحلیل کے طور پر لوگوں کو مباشرت کیلئے دیا کرتا تھا۔ کتاب طبقات تابعین میں مرقوم ہے" کہتے ہیں۔ عطا بن ابی رباح سے فقہ کے باب میں دو حکم غریب مروی ہیں۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ وہ مالکوں کی اجازت سے کنیزوں سے وطی کرنا جائز جانتا تھا کہتے ہیں کہ وہ اپنی کنیزوں کو مہمانوں کے پاس بھیجتا تھا۔ کہ جو فعل ان کیساتھ وہ چاہیں کریں۔ انتہی۔ شیخ ابوالحسن شاذلی نے بھی کتاب منہج وفیہ شرح رسالہ غریبہ میں اس حکم کو عطا بن ابی رباح سے منسوب کیا ہے نیز ابن خلکان اپنی تاریخ میں لکھتا ہے ابو محمد عطا بن ابی رباح و نقل اصحابنا عن المدینۃ انہ کان یری وطی جواری باذن اربابھن وحکی ابو الفرج العجلی المقدم ذکرہ فی حرف الھمزۃ فی کتاب شرح مشکلات الوسط والوجیز فی الباب الثالث من کتاب الرھن عن عطا انہ کان یبعث بجواریہ الی اضیافہ والذی اعتقدہ انا ان ھذا بعید فانہ ولو رای الحل کانت المروۃ والغیرۃ یابی ذلک فکیف یظن ھذا المثل ذلک السند الامام ولم اذکرہ الا لغرابتہ (ابو محمد عطا بن ابی رباح ہمارے اصحاب اہل مدینہ نے نقل کیا ہے۔ کہ وہ کنیزوں سے وطی کرنا ان کے مالکوں کی اجازت سے جائز جانتا تھا۔ اور ابوالفرج عجلی نے جس کا ذکر پہلے حرف ہمزہ میں آچکا ہے۔ کتاب شرح مشکلات الوسط والوجیز کتاب الرہن کے باب ثالث میں عطا کی نسبت ذکر کیا ہے۔ کہ وہ اپنی کنیزیں اپنے مہمانوں اور معتقدین کے پاس بھیجا کرتا تھا لیکن یہ حکم تعبدی ہے اور اگر اس حالت میں غور کیجائے۔ تو مروت اور غیرت اسکو منظور نہیں کرتی پس ایسے مستند امام کیلئے کیونکہ ایسا گمان کیا جا سکتا ہے۔ اور میں نے صرف غریب و نادر جانکر اسکا ذکر کیا ہے) صاحبان علم وانصاف پر ظاہر اور روشن ہے۔ کہ گزشتہ واقعات کا علم ثقہ اور معتبر لوگوں کے نقل و بیان سے حاصل ہوا کرتا ہے۔ جب ایک چیز نقل ثقات سے ثابت ہو جائے۔ تو وہم وخیال کے استبعاد اور بعید جاننے سے اسکے علم میں کسی قسم کا قدح وارد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً فرض کرو کہ نقل ثقات و تحریر علمائے معتبرین سے ثابت ہوا۔ کہ فلاں عاقل جلیل القدر نے اپنے آپکو کوٹھے پر سے گرا دیا۔ یا خود کوئیں

AsliAhleSunnet.com

ہیں گزر پڑا۔ اب وہم کے استبعاد کو اس خبر کے عدم تحقق اور نفی ثبوت میں کسی قسم کا دخل نہیں ہو سکتا پس ابن خلکان کا استبعاد کہ "ایسے مسند امام سے ایسا فعل جو مروت وغیرت سے دور ہو۔ کیونکر گمان کیا جا سکتا ہے" درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ المختصر اس مسئلہ کو اس باب میں جو خاص امامیہ کے خصائص کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ ذکر کرنا مستدرک اور لغو محض ہے۔

قول مصنف تحفہ

نیز یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر ہوشیار بچہ اپنے وارثوں سے گم ہو کر کسی شخص کے پاس پہنچ جائے۔ اسکو اس بچے کا اٹھانا اور گھر میں رکھنا جائز نہیں ہے حالانکہ بچے کے ضائع ہونیکا اندیشہ ہے۔ اور خواجہ گر اور لوطی لوگ اس قسم کی عزیز جنس کے ہمیشہ طالب اور جویاں رہتے ہیں۔ اسکے نہ اٹھانے میں بیشک اسکی ہلاکت ہے جیسا کہ تجربہ میں آچکا ہے۔ حالانکہ وہ بچہ بچپن اور خوردسالی کیوجہ سے اپنی آفات و مودیات کے دفعیہ اور کسب معاش سے عاجز ہے۔ پس اس کا التقاط (اٹھانا) حیوانوں کے التقاط سے زیادہ تر موکد اور تاکیدی ہوگا۔ انتہی۔

جواب باصواب

مصنف نے جو کچھ یہاں افادہ فرمایا ہے۔ نہایت ہی عجیب و غریب ہے کیونکہ آپ کے کلام سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے۔ کہ تمام امامیہ اس قول کے قائل ہیں حالانکہ یہ خلاف واقع ہے اسلئے کہ محققین علمائے امامیہ نے تصریح فرمائی ہے۔ کہ ممیز بچے کا التقاط جائز ہے۔ شرائع الاسلام میں فرمایا ہے الاول فی اللقیط وھو کل صبی ضائع لا کافل لہ ولا ریب فی تعلق الحکم بالتقاط الطفل غیر الممیز وسقوطہ فی طرف البالغ العاقل وفی الطفل الممیز تردد والاشبہ جواز التقاطہ لصغرہ وعجزہ عن دفع ضرورتہ انتہی (اول لقیط کے بیان میں۔ لقیط وہ بچہ ہے جو گم ہو گیا ہو۔ اور اس کا کوئی کفیل نہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ یہ التقاط کا حکم غیر ممیز بچے سے متعلق ہے۔ اور بالغ اور عاقل کے بارے میں یہ حکم ساقط ہے۔ اور طفل ممیز کے باب میں تردد ہے اور اشبہ قول یہ ہے کہ اسکا التقاط جائز ہے کیونکہ وہ صغیر سن بچہ ہے اور اپنی ضرورت کے بہم پہنچانے سے عاجز ہے)

اور شرح لمعہ میں فرمایا ہے الاول فی اللقیط وھو انسان ضائع لا کافل لہ حال الالتقاط ولا یستقل بنفسہ ای بالسعی علی ما یصلحہ ویدفع عن نفسہ المھلکات الممکن دفعھا عادۃ فیلتقط الصبی والصبیۃ وان میزا علی الاقوی لعدم استقلالھما بانفسھما لا الممیز البالغ فیمتنع التقاطھما حینئذ لاستقلالھما وانتفاء الولایۃ عنھما نعم لو خاف علی البالغ التلف فی مھلکۃ وجب انقاذہ کانقاذ الغریق ونحوہ انتہی (اول لقیط کے بیان میں اور وہ گم شدہ انسان ہے جس کا التقاط کی حالت میں کوئی کفیل نہ ہو۔ اور نہ وہ بذات خود مستقل ہے۔ یعنی نہ خود اپنی درستی اور اصلاح میں کوشش کر

AsliAhleSunnet.com

سکتا ہے۔ اور نہ مہلکات کو اپنے نفس سے دور کر سکتا ہے۔ جن کا دفعیہ عادتاً ممکن ہے۔ پس لڑکا اور لڑکی التقاط کیجائے اگرچہ وہ ممیز ہوں علے الاقوے۔ کیونکہ وہ جنتک بالغ نہ ہوں اپنے نفسوں میں مستقل نہیں ہیں پس بالغ ہونے پران کا التقاط منع ہے۔ کیونکہ وہ بذات خود مستقل ہو گئے ہیں۔ اور ولایت انسے منتفی ہو گئی ہے۔ ہاں اگر بالغ کیلیے کسی مہلکہ میں تلف ہونیکا خوف ہو۔ تو اسکا اس ہلاکت کے مقام سے چھڑانا اور نکالنا واجب ہے۔ جیسے ڈوبتے شخص کو ڈوبنے سے بچانا (وغیرہ) لیکن ایک ضعیف احتمال یہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس قول کے قائل کے نزدیک طفل ممیز سے وہ بچہ مراد ہے جو نیک و بد اور اصلاح و فساد میں ایسی تمیز رکھتا ہو۔ کہ فہم و فراست اور عقل و کیاست میں بالغوں کے مشابہ ہو۔ اسلئے کہ ایسے بچے اکثر اوقات بالغونکی طرح اپنے نفس کی کفالت و پرورش اور حفظ و صیانت کرنے میں کسی دوسرے معاون کی زائد معاونت اور امداد کے محتاج نہیں ہوا کرتے بہت سے ممیز اور تمیز و ہوش دار بچے عقل و شعور میں بعض احمق بڈھوں سے جن کو عرف میں پیر نا بالغ کہا جاتا ہے۔ بڑھکر اور فائق تر ہوتے ہیں جیسا کہ بارہا تجربہ اور مشاہدہ میں آچکا ہے۔ اور بزرگوں نے کہا ہے۔ بزرگی عقل سے ہے نہ کہ سالونکی زیادتی سے پس التقاط کا مقصد اور اسکی اصلی غرض کہ جو حفاظت و صیانت ہے ایسے باتمیز بچوں میں مفقود ہوتی ہے۔ اسلئے ان کیلیے بھی بالغونکی طرح عدم التقاط کا حکم ہوگا۔ غایۃ المرام شرح شرائع الاسلام میں فرمایا ہے منشاء التردد ما قالہ المصنف من امتناعہ عن الضیاع لاستقلالہ بنفسہ (مصنف نے جو اس مقام پر لفظ تردد کو استعمال کیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ (یعنی طفل ممیز) اپنے نفس کو ہلاکت سے بذات خود بچانے پر قادر رہے) اور اگر کبھی کسی وقت ان میں سے کوئی سا کسی گرداب ہلاکت میں گرفتار ہو۔ اور اسکے تلف اور ضائع ہونیکا اندیشہ ہو۔ اس قول کے قائل شخص کے نزدیک اس کو اس ہلاکت سے چھڑانا اور نجات دینا ہر اس شخص پر واجب ہے۔ جو اسوقت اس موقع پر پہنچ جائے۔ اور اس مقام میں اصلی غرض ان کو اس گرداب ہلاکت سے بچانا اور حفاظت کرنا ہے۔ نہ کہ ان کی پرورش اور تربیت کرنا۔ اور جو بچہ عقل و شعور میں اس درجہ کو نہ پہنچا ہو۔ وہ ان علماء کے نزدیک طفل ممیز کا حکم نہیں رکھتا۔ اور اس کا التقاط ان کے نزدیک جائز ہے۔ پس جناب افادت مآب کا اعتراض اس قول پر بھی محض بیوجہ اور غیر موزوں و نامعقول ہے۔ چنانچہ صاحبان عقل و نہی پر خوب واضح اور روشن ہے۔

قول مصنف تحفہ

نیز یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اجارہ زبان عربی کے بغیر منعقد نہیں ہوتا۔

جواب باصواب

فقہ امامیہ کی کتب متداولہ مثلاً شرائع الاسلام۔ ارشاد الاذہان علامہ حلی وغیرہ میں کہیں اس امر کی تصریح موجود نہیں ہے۔ کہ

صفحہ ۳۲۰ طفل ممیز کو بالغ ہونا۔ ...احتمال

صفحہ ۳۲۰ اجارہ

صیغہ اجارہ عربی میں ہونا ضروری ہے لیکن اگر بالفرض اسکو تسلیم بھی کر لیا جائے۔ تو یہ حکم بھی اسی حدیث شریف کی متفرعات میں سے ہے۔ جو شیخ جلال الدین سیوطی نے کتاب جامع صغیر میں روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت علیہ وآلہ السلام نے فرمایا۔ من لحسن منکم العربیۃ فلا یتکلمن بالفارسیۃ فانہ یورث النفاق (جو شخص تم میں سے عربی اچھی طرح بول سکتا ہو۔ وہ فارسی میں گفتگو نہ کرے۔ کیونکہ وہ نفاق کو پیدا کرتی ہے) ظاہر ہے کہ یہ حکم اسی صورت میں ہے۔ جبکہ زبان عربی پر قدرت رکھتا ہو۔ اور ایسی حالت میں اس عقد (اجارہ) کا جو عقود لازمہ شرعیہ سے ہے۔ ان الفاظ و عبارات میں واقع کرنا لازم ہوگا۔ اور اسکے سوا اور الفاظ میں ممنوع ہوگا۔ چونکہ اس قول میں جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم امامیہ کیساتھ شریک ہیں۔ اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شافعی کے نزدیک اس شخص کو جو عربی زبان پر قدرت و استطاعت رکھتا ہو۔ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں گفتگو کرنا مطلقاً مکروہ ہے۔ اس مسئلہ کو اس باب میں جو امامیہ کے خصائص اور منفردات کیلئے مخصوص اور موضوع ہے۔ محض لغو و بیکار ہے۔ اور جناب فہامی جو تشنیعات ایسے مقامات میں امامیہ کو فرماتے ہیں۔ اگرچہ امامیہ ان سے چنداں بددل نہیں ہوتے کیونکہ فان البلیۃ اذا عمت طابت (بلا جب عام ہو جائے تو بھلی معلوم ہوا کرتی ہے) ع مرگ انبوہ جشنے دارد مشہور قول ہے لیکن حقائق و معارف دستگاہ کو بھی فکر روز باز خواست اہم اور ضروری ہے۔ وقفوھم انھم مسئولون۔

قول مصنف تحفہ

نیز قائل ہیں کہ جو کوئی غیبت امام مہدیؑ کے زمانہ میں کفار کے جہاد اور رہزنوں کی چوکیداری کیلئے اپنے آپ کو نوکر بنائے وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوتا۔ کیونکہ غیبت امام کے زمانہ میں جہاد فاسد ہے۔ پس اسکا اجارہ بھی صحیح نہ ہوگا۔ انتہیٰ کلامہ

جواب باصواب

اس قول کے اطلاق میں خبط واقع ہوا ہے۔ یعنی مصنف نے جو مطلقاً فرمادیا ہے "کیونکہ غیبت امام کے زمانہ میں جہاد فاسد ہے" اسمیں خبط واقع ہوا ہے۔ کیونکہ امامیہ زمانہ غیبت میں مطلقاً جہاد کے عدم جواز کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ بحث جہاد میں بہ تفصیل اسکا ذکر ہو چکا ہے۔ اور بعض قسم کے جہاد غیبت امام کے زمانے میں امامیہ کے نزدیک واجب ہیں۔ مثلاً جبکہ کفار مسلمانوں کے علاقہ پر چڑھائی کریں۔ اور ان سے اسلام کو ضرر و آسیب پہنچے۔ اس حالت میں ان سے جہاد کرنا امامیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور کسی صاحب احتیاج کو امر جہاد میں اعانت کیلئے کسی کو اجیر یعنی نوکر رکھنے کی ضرورت ہو۔ اسکو اس صورت میں مقابلہ کفار کیلئے نوکر رکھنا واجب ہے۔ نیز اسلئے کہ صائل یعنی حملہ آور کا دفعیہ واجب ہے جب رہزن مال لینے اور مسلمانوں کو

AsliAhleSunnet.com

قتل کرنیکے درپے ہوں۔ ان سے جنگ کرنا واجب ہے۔ اور احتیاج کیصورت میں اس گروہ فساد پژوہ کی مدافعت کے لئے نوکر رکھنا واجب ہے۔ نیز مرابطہ یعنی ملک اسلام کی سرحد کی حفاظت اور چوکیداری بھی امامیہ کے نزدیک منجملہ مؤکدہ سے ہے۔ پس مصنف کے اس قول کا اطلاق مطلقاً باطل ہے۔ بالفرض اگر مصنف کی تحریر کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو ہم اسکے جواب میں یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ اجرت کے لینے سے اخلاص نیت جس کا ہونا عبادات میں معتبر ہے فوت ہوجاتا ہے۔ پس مخلصین کو اجرت کا نہ لینا لازم ہے۔ باوجودیکہ حنفیہ عبادت بجالانیکے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز نہیں جانتے۔ الجواب الجواب۔

قول مصنف تحفہ

نیز یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر ایک شیعہ اپنی ام ولد کو خدمت و راصیل گری کیلئے ایک شخص کا نوکر بنائے۔ اور اسکی فرج کو دوسرے شخص کیلئے حلال کردے۔ تو خدمت پہلے شخص کے لئے ہوگی۔ اور وطی دوسرے شخص کیواسطے۔ انتہی۔

جواب باصواب

اس سے پہلے کئی بار مذکور ہوچکا ہے۔ کہ تحلیل عقد تحلیل کے انعقاد اور ایجاب وقبول کے بغیر جائز نہیں ہے۔ اور عقد تحلیل کے انعقاد کی صورت میں امامیہ کے نزدیک وہ نکاح کی اقسام میں داخل ہے۔ اور اہلسنت کے نزدیک کنیز کو اجارہ پر دینا۔ اور اسکو لوگوں کی خدمت کیلئے نوکر بنانا۔ اور دوسرے شخص سے اسکی تزویج کرنا جائز ہے ہدایہ میں فرمایا ہے ول وطیھا واستخدامھا واجارتھا وتزویجھا (اور اسکو اس کنیز سے وطی کرنا اور اس سے خدمت لینا اور اسکو اجارہ پر دینا اور اسکو دوسرے کی زوجیت میں دینا جائز ہے) پس اس مسئلہ کے مطابق اگر کوئی غیر امامی شخص اپنی ام ولد کو خدمت و راصیل گری کیواسطے ایک شخص کا نوکر بنائے اور دوسرے شخص سے اسکی شادی کردے۔ تو خدمت تو پہلے شخص کیلئے ہوگی۔ اور وطی دوسرے شخص کیواسطے۔ نیز مکرر گذارش کرچکے ہیں۔ کہ عطا بن ابی رباح جو امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کے اجلہ مشائخ سے ہے۔ تحلیل کے اباحت یعنی مباح ہونیکا قائل ہے۔ پس اگر وہ اسکی تابعین جو اس مسئلے میں اس (عطا) کے پیرو اور مقلد ہونگے۔ اگر اپنی ام ولد کو خدمت اور اصیل گری کی خاطر ایک شخص کا نوکر کرادیں۔ اور اسکی فرج کو دوسرے شخص کیلئے حلال کردیں۔ اس صورت میں خدمت پہلے شخص کیلئے ہے۔ اور وطی دوسرے شخص کیلئے۔ پس اس مسئلہ کا اس باب میں جو خصائص امامیہ کیلئے موضوع اور معقود ہے مندرج کرنا محض لغو اور عبث ہے۔ حالانکہ مصنف نے ام ولد کے نوکر کرانے کے مطلقاً جواز و اباحت کو امامیہ کیطرف منسوب کیا ہے۔ وہ قابل غور ہے۔ جامع عباسی میں مکروہات اجارہ میں فرماتے ہیں۔ ہشتم اجارہ پر دینا یعنی اجارہ پر دینا مکروہت جائز ہے۔ نہ کہ مطلقاً جائز۔ جیسا کہ مصنف کے کلام سے مترشح ہوتا ہے)۔

AsliAhleSunnet.com

قول مصنف تحفہ

نیز یہ لوگ قائل ہیں۔ کہ ہبہ عربی زبان کے بغیر درست نہیں بس اگر کوئی شخص ہزار دفعہ کہے ہیں نے بخشا ہیں نے بخشا ہبہ نہیں ہوتا۔ انتہی کلامہ۔

جواب باصواب

فقہا امامیہ کی کتب متداولہ مروجہ مثلاً شرائع الاسلام اور اسکی شروح شرح لمعہ اور ارشاد الاذہان علامہ حلی وغیرہ میں کہیں اس امر کی تصریح موجود نہیں۔ کہ ہبہ کے صیغہ میں عربیت شرط ہے۔ بلکہ ظاہرا ان کتابوں کی عبارت کا اطلاق تعمیم اور ہر لغت وزبان میں اسکے منعقد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ شرائع میں فرمایا ہے وھی تفتقر الی الایجاب والقبول والقبض والایجاب کل لفظ قصد بہ التملیك المذکور کقولہ مثلاً وھبتك وملکتك (اور ہبہ میں ایجاب وقبول اور قبضہ کی ضرورت ہے۔ اور ایجاب ہر وہ لفظ ہے جس سے تملیک مذکور مقصود ہو مثلاً کوئی شخص کہے وھبتك (میں نے تجھکو ہبہ کیا) اور ملکتك (میں نے تجھے اس چیز کا مالک بنا لیا) اور بالفرض اگر مصنف کے قول کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ زبان عربی میں کلام کرنیکی استطاعت اور قدرت حاصل ہو پس اس حالت میں یہ حکم حدیث من احسن منکم العربیة فلا یتکلمن بالفارسیة فانہ یورث النفاق کی متفرعات میں سے ہوگا۔ جسکو شیخ جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر میں روایت کیا ہے (جیسا کہ پیشتر بیان ہوا) الغرض چونکہ ہبہ عقود شرعیہ سے ہے اس لئے اسکا ان الفاظ اور عبارات میں منعقد کرنا لازم ہے۔ جو شارع علیہ السلام سے ماثور اور مروی ہیں۔ کیونکہ حتی الامکان آنجناب کی تاسی اور پیروی آئین ایمان کی ضروریات میں سے ہے۔ اور یہ بات مدح کا موجب ہے۔ نہ کہ قدح کا باعث۔ نیز پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ شافعی عربی زبان میں گفتگو کر سکنے کی حالت میں غیر زبان میں گفتگو کرنا مطلقاً مکروہ جانتے ہیں۔ فتذکر۔

قول مصنف تحفہ

اور کہتے ہیں۔ کہ فقط اپنی مملوکہ کی وطی کا بخشنا (ہبہ کرنا) درست ہے۔ اور فرج کی عاریت ہو جاتی ہے۔ انتہی۔

جواب باصواب

یہ تحریر چند وجہوں سے مردود اور مدفوع ہے۔ وجہ اول یہ کہ اس قول کو امامیہ سے منسوب کرنا محض افترا اور خالص بہتان ہے کیونکہ امامیہ وطی مملوکہ کا بخشنا اور اس کا ہبہ کرنا ناجائز جانتے ہیں۔ اور انکے نزدیک عقد تحلیل کو لفظ ہبہ سے منعقد کرنا درست نہیں ہے۔ خاتمۃ المحدثین مولانا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ نے اجوبہ مسائل میں فرمایا ہے ایک شخص کی کنیز دوسرے شخص پر عقد دائمی یا متعہ یا تحلیل سے حلال ہوتی ہے۔ اور منفعت وطی کا بخشنا اور ہبہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ اور تحلیل لفظ ہبہ سے واقع نہیں ہوتی۔ پس مصنف نے جو تفریع اس پر

AsliAhleSunnet.com

کی ہے۔ کہ یہ امر عاریت فرج ہو جاتا ہے۔ وہ بھی باطل اور مندفع ہوگئی۔ اور بعض علماء جو تحلیل کو بطریق تملیک منفعت ملک یمین کی قسم سے جانتے ہیں۔ انکے نزدیک بھی عاریت فرج لازم نہیں آتی۔ کیونکہ تملیک منفعت انکے نزدیک دو قسموں پر منقسم ہے (۱) عاریت (۲) تحلیل اور یہ دو قسمیں ایکدوسرے کے مقابل ہیں۔ تحلیل کا مفہوم اور اسکی شرطیں عاریت کے مفہوم اور اسکی شرطوں سے بالکل مغائر اور جدا ہیں پس انکے متحد اور مستلزم ہونیکا توہم مضمحل اور باطل ہوا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ امامیہ کے نزدیک تحلیل جائز ہے۔ اور عاریت استمتاع (عاریتاً فائدہ حاصل کرنا) جائز نہیں۔ اور یہ حکم فرقہ امامیہ کی اجماعیات میں داخل ہے جامع عباسی میں فرمایا ہے۔ اور کنیز کا عاریتہً لینا اس سے فائدہ اور تمتع حاصل کرنیکی غرض سے جبتک کہ لفظ تحلیل یا اباحت سے عقد کو منعقد نہ کریں جائز نہیں ہے۔ شیخ شہید ثانی طاب ثراہ نے شرح شرائع میں فرمایا ہے لا خلاف عندنا فی جواز اعارۃ الجاریۃ للخدمۃ سواء کانت حسینۃ او قبیحۃ وسواء کان المستعیر اجنبیا ام محرما لکن یکرہ اعارتھا للاجنبی وبتاکد الکراھۃ اذا کانت حسینۃ خوفاً للفتنۃ وخالف فی ذلک الشافعی فحرم اعارتھا الا ان یکون صغیرۃ لا یشتھی و کبیرۃ کذلک او قبیحۃ المنظر فلہ الوجھان واما استعارتھا للاستمتاع فغیر جائز اجماعاً انتہی۔ (ہمارے نزدیک کنیز کو خدمت کیلئے عاریتہً دینے میں اختلاف نہیں ہے۔ خواہ وہ خوبصورت ہو۔ یا بد صورت۔ اور مستعیر یعنی عاریت لینے والا خواہ اجنبی ہو۔ یا محرم۔ لیکن اجنبی کو عاریت دینا مکروہ ہے۔ اور خوبصورت ہونیکی حالت میں فتنہ کے خوف سے کراہت شدید ہو جاتی ہے۔ اور اس باب میں شافعی نے اسکی مخالفت کی ہے پس اسکے عاریت دینے کو حرام کیا ہے۔ مگر یہ کہ صغیرہ ہو۔ جو شہوت نہ رکھتی ہو یا کبیرہ ایسی ہی ہو۔ یا بدصورت ہو پس اسکے لئے دو صورتیں ہیں۔ لیکن کنیز کا استمتاع کی غرض سے عاریت لینا اجماعاً غیر جائز ہے) اور تحلیل بھی بہ لفظ عاریت درست نہیں ہے۔ صاحب شرائع نے فرمایا ہے ولا یتاتی بلفظ العاریۃ (لفظ عاریت سے تحلیل منعقد نہیں ہوتی)

وجہ دوم ۔ بالفرض اگر مصنف کے قول کو صحیح مان لیں۔ تو جواباً عرض ہے۔ کہ مکرر بیان ہو چکا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مملوکہ کی تزویج بلکہ ام ولد کی تزویج جائز ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں اس کی تصریح موجود ہے جیسا کہ اسکی عبارات مباحث گذشتہ میں مذکور ہوئیں۔ نیز مذہب حنفیہ کا مشہور اور مقرر مسئلہ ہے کہ نکاح لفظ ہبہ سے منعقد ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس ہمارے زمانہ میں حنفیہ میں یہی قاعدہ اور دستور متعارف اور معمول ہے۔ کہ اکثر نکاح کو صیغہ ہبہ سے منعقد کرتے ہیں۔ نیز مملوکہ کے نکاح کو بلا طلاق لینے سے حنفیہ کے نزدیک فسخ کرنا جائز ہے۔ اس مسئلہ کی بنا پر اگر کوئی شخص مذہب

AsliAhleSunnet.com

صنفیہ کیموافق کنیز کی تزویج لفظ بخشیدمش (میں نے اسکو بخشا) سے منعقد کرے۔ اور ایک مدت دخول کرنے کے بعد نکاح کو فسخ کریں، یا مذہب کرخی کیموافق لفظ بعاریت وادمش (میں نے اسکو عاریت کے طور پر دیا) سے مملوکہ کا نکاح کریں۔ اور کچھ دنوں دخول کے بعد اسکے نکاح کو فسخ کریں۔ ان دو نوصورتوں میں فاضل مصنف کا ایراد مذکور وارد ہوتا ہے۔

وجہ سوم۔ یہ کہ کئی بار بیان ہو چکا ہے۔ کہ عطا ابن ابی رباح جو امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کے اکابر مشائخ سے ہے۔ تحلیل کے مباح ہونیکا قائل ہے۔ پس اس مسئلہ مخترعہ کا جو حضور کے زعم میں تحلیل کی تراکیب و تفاریع میں سے ہے۔ اس باب میں مندرج کرنا لغو محض ہے۔

قول مصنف تحفہ

نیز ان میں سے اکثر کا یہ قول ہے۔ کہ صدقہ کا واپس لینا جائز ہے۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے۔ لا تبطلوا صدقاتکم (اپنے صدقات کو باطل نہ کرو) اور پیغمبر فرماتے ہیں العاید فی صدقتہ کالکلب فی قیئہ انتہیٰ (اپنے صدقہ کو واپس لینے والا کتے کی مانند ہے جو اپنی قے کو چاٹ لیتا ہے)

جواب باصواب

مصنف نے اس مسئلہ میں اجمال مخل اور تلبیس سے کام لیا ہے اور اسکی تفصیل یہ ہے۔ کہ امامیہ کے نزدیک صدقہ واجبی میں رجوع اصلاً جائز نہیں۔ اور اس باب میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ اور صدقہ سنتی میں بھی جمہور علماء کے نزدیک رجوع جائز نہیں ہے۔ مختصر نافع میں فرمایا ہے۔ ویلزم بعد القبض و ان لم یعوض عنہا (اور وہ قبضہ کے بعد لازم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا عوض نہ دیا جائے) شیخ علی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے۔ لاخلاف فی ذلک فی المفروضۃ واما المندوبۃ فقال الشیخ یجوز فیہا الرجوع کالھبۃ فی موضع یجوز فیہ الرجوع والاقوی العدم کالمفروضۃ (اس باب میں فرض صدقہ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن سنتی صدقہ میں بعض نے اختلاف کیا ہے۔ شیخ نے فرمایا ہے کہ اس (صدقہ سنتی) میں ہبہ کی طرف رجوع جائز ہے۔ جہاں اس میں رجوع جائز ہے۔ اور اقوی قول یہ ہے کہ صدقہ مفروضہ کی طرح اس میں بھی رجوع جائز نہیں ہے) شرح لمعہ میں فرمایا ہے۔ وشرطھا القربۃ فلا یجوز الرجوع فیہا بعد القبض لتمام الملک وحصول العوض وھو القربۃ کما لا یصح الرجوع فی الھبۃ مع التعویض (اور صدقہ کی شرط قربت ہے۔ پس قبضہ کے بعد اس میں رجوع جائز نہیں۔ کیونکہ ملک کامل ہو گئی۔ اور عوض حاصل

اعتراض بر اعادۂ صدقہ صفحہ ۳۲۷

تحریر بے ربط مصنف

AsliAhleSunnet.com

ہوگئی - اور وہ یعنی عوض قربت ہے - جیسا کہ ہبہ میں تعویض یعنی عوض ملجانے پر رجوع صحیح
نہیں صحیح ہوتی، شرائع میں فرماتے ہیں ولا یجوز الرّجوع فیھا بعد القبض علی
الاصح لان المقصود بھا الاجر وقد حصل فھی کالمعوض عنھا (قول
اصح کے موافق قبضہ کے بعد صدقہ میں رجوع کرنا جائز نہیں - اسلئے اس سے مقصود اجر
ہے - اور وہ حاصل ہوگیا - پس گویا اس (صدقہ) کا عوض دیدیا گیا) شیخ شہید ثانی رح
شرح شرائع میں فرماتے ہیں خالف فی ذالک الشیخ فقال ان صدقۃ التطوع
عندنا بمنزلۃ الھبۃ فی جمیع الاحکام من شرطھا الایجاب والقبول
ولا یلزم بالقبض وکل من لہ الرجوع فی الھبۃ لہ الرجوع فی الصدقۃ
وعلیہ نبہ المصنف بقولہ لان المقصود بھا الاجر وقد حصل الرد
علی قول الشیخ لو سلم مساواتھا الھبۃ واذا حصل بھا عوض لا یجوز
الرجوع فیھا مطلقاً والصدقۃ یستلزم العوض دائماً وھو القربۃ
وکانت کالمعوض عنھا وھذا ھو الاقوی حتی لو فرض فی الھبۃ التقرب
کان عوضاً کالصدقۃ ولم یجز بھا الرجوع فیھا والحاصل ان قول الشیخ
اما ضعیف جداً او مبنی علی عدم اشتراط نیۃ القربۃ فیھا فیکون
قولاً فی المسئلۃ (اس باب میں شیخ رح نے مخالفت کی ہے - اور فرمایا ہے - کہ صدقہ
تطوع (سنتی) ہمارے نزدیک تمام احکام میں ہبہ کی مانند ہے - اس کی شرط ایجاب و قبول ہے
اور وہ قبضہ سے لازم نہیں ہوتا - اور جس شخص کو ہبہ میں رجوع کا حق حاصل ہے - اسکو صدقہ
سنتی میں بھی رجوع کا حق حاصل ہے - اور مصنف شرائع الاسلام نے اس پر اپنے قول
لان المقصود بھا الاجر (کیونکہ اس سے اجر مقصود ہوتا ہے) سے تنبیہ فرمائی ہے
اور اس سے شیخ کے کلام کا رد ہوگیا - اگر اس کو یعنی صدقہ سنتی کو ہبہ کے مساوی تسلیم
کرلیا جائے - اور جب اس کا عوض حاصل ہوگیا - تو اس میں مطلقاً رجوع جائز نہیں ہے
اور صدقہ کو ہمیشہ عوض لازم ہوتا ہے - اور وہ قربت ہے - اور گویا اس کا عوض دیدیا گیا
ہے - اور یہ اقوی قول ہے - یہاں تک کہ اگر ہبہ میں تقرب فرض کیا جائے - تو وہ صدقہ
کی طرح اس کا عوض ہوگا - اور اسکے موجود ہونے کی حالت میں اس میں رجوع جائز نہیں
اور اس کا حاصل یہ ہے - کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یا تو بہت ہی ضعیف ہے - یا یہ قول

AsliAhleSunnet.com

اس پر مبنی ہے۔ کہ اس بزرگوار کے نزدیک اس میں قربت کی نیت شرط نہیں ہے پس اس مسئلہ میں صرف یہ ایک قول جدا ہے)

ان مقدمات کے بیان کرنے سے معلوم ہو گیا کہ فاضل مصنف کا کلام چند وجوہ سے محل تامل ہے۔

وجہ اول - مصنف کا اس قول کو اکثر علمائے امامیہ کی طرف منسوب کرنا خلاف واقع ہے۔ کیونکہ بیان مذکورۂ بالا سے واضح ہو گیا۔ کہ اس مسئلہ میں شیخ طوسی علیہ الرحمہ کے سوا اور کوئی مخالف نہیں ہے۔

وجہ دوم - یہ کہ مصنف کے ظاہر کلام سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ امامیہ صدقہ میں رجوع کرنا مطلقاً جائز جانتے ہیں۔ یہ بھی ممنوع و باطل ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک صدقہ واجبی میں رجوع کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے۔ صرف صدقہ سنتی میں ذرا اختلاف ہے۔ سوا ایک شیخ طوسی رح کے سوا اور سب علماء کے نزدیک اس میں بھی رجوع جائز نہیں۔

وجہ سوم - یہ کہ آیہ ولا تبطلوا صدقاتکم سے اس مدعا پر استدلال کرنا ایک عجیب و غریب استدلال ہے کیونکہ اس آیہ کریمہ میں جو صدقہ کے باطل کرنے سے نہی وارد ہوئی ہے۔ اس میں منّ و اذیٰ کی قید لگی ہوئی ہے۔ اور آیہ در اصل اس طرح پر ہے۔ لَا تبطلوا صدقاتکم بالمنّ والاذیٰ کالذی ینفق مالہ ریاء النّاس (تم اپنے صدقوں کو احسان جتلانے اور اذیت دینے کے ساتھ باطل مت کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے) اور فاضل مصنف نے آیہ کریمہ سے قید منّ و اذیٰ کو حذف کر کے ذکر فرمایا ہے۔ اور اس سے مطلقاً صدقہ کے ابطال پر استدلال کیا ہے۔ جناب کا یہ فعل نہایت عجیب و غریب اور اس اوباش لوطی سے نہایت ہی مشابہت رکھتا ہے۔ جس نے جملۂ لا تقربوا الصّلوٰۃ سے جو آیۂ لا تقربوا الصّلوٰۃ وانتم سکاریٰ میں ہے۔ نماز کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے۔ (یعنی میں نماز اس لئے نہیں پڑھتا کہ قرآن میں خدا فرماتا ہے۔ لا تقربوا الصّلوٰۃ (تم نماز کے نزدیک نہ جاؤ) یعنی نماز کا پڑھنا جائز نہیں کسی نے کہا۔ کہ وانتم سکاریٰ بھی تو آیت میں ہے۔ جواب دیا۔ کہ ہم فقیر لوگ تمام قرآن پر عمل نہیں کر سکتے ۱۲ مترجم) اور بیضاوی میں فرمایا ہے۔ والاذیٰ ان یتطاول علیہ بسبب ما انعم علیہ (اور اذیٰ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے مال کے سبب جو اس کو دیا گیا ہے

اس پر دست جور و ظلم دراز کیا جائے۔ اور متکبرانہ اور مغرورانہ لہجہ اور طریقہ اختیار کیا جائے) پس مصنف کے کلام سے جو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ صدقہ کا واپس لینا بھی **اذی** (اذیت و تکلیف) میں داخل ہے باطل اور مندفع ہوا۔

وجہ چہارم۔ یہ کہ حدیث شریف جو مصنف نے استدلال میں پیش کی ہے۔ وہ ان علماء کے نزدیک جو صدقہ سنتی میں رجوع کرنے کو جائز جانتے ہیں۔ کراہیت کے بیان پر محمول ہے پس منافات لازم نہیں آتی مشکوۃ میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ قال قال رسول اللہ العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء (رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ اپنے ہبہ اور بخشش کو واپس لینے والا اس کتے کی مانند ہے۔ جو اپنی قے کو پھر خود ہی چٹ کرے۔ ہمارے لئے بُری مثال نہیں ہے۔) امام رازی نے آیہ کریمہ واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا اوردوھا ان اللہ کان علی کل شیٔ حسیبا (اور جب تم کو کوئی تحفہ دیا جائے۔ تو تم اس سے بہتر تحفہ دو۔ یا اس کو واپس کردو۔ بیشک اللہ ہر چیز پر حساب اور انتقام لینے والا ہے۔) کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا ہے۔ قال ابو حنیفۃ من وھب بغیر ذی رحم محرم فلہ الرجوع فیہا مالم یثبت عنہا واذا اثیبت منہا فلا رجوع لہ فیہا وقال الشافعی لہ الرجوع فی حق الولد ولیس لہ الرجوع فی حق الاجنبی احتج ابو بکر الرازی بھذہ الآیۃ علی صحۃ قول ابی حنیفۃ قال قولہ واذا حییتم بتحیۃ یدخل فیہ التسلیم ویدخل فیہ الھبۃ ومقتضاہ وجوب الرد اذا لم یصر مقابلا بالاحسن فاذا لم یثبت الوجوب فلا اقل من الجواز (ابو حنیفہ نے فرمایا ہے۔ جو کوئی کسی غیر ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کرے۔ پس جبتک وہ اس پر قابض نہ ہو۔ اس کو اس میں رجوع جائز ہے۔ اور جب قابض ہو جائے۔ تو اس میں رجوع کرنے کا حق نہیں۔ اور شافعی کا قول یہ ہے۔ کہ والد کو اپنی اولاد کے حق میں رجوع کا حق ہے۔ اور اجنبی کے حق میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ ابو بکر رازی نے اس آیت کے ساتھ ابو حنیفہ کے قول کی صحت پر استدلال کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ قولہ تعالیٰ واذا حُییتم بتحیۃ میں تسلیم اور ہبہ داخل ہے۔ اور اس کا منشا یہ ہے۔ کہ جب احسن سے مقابل نہ ہو۔ تو رد کرنا واجب ہے۔ پس اگر وجوب نہیں۔ تو کم از کم جواز تو ضرور ہے) شیخ عبد الحق دہلوی ترجمہ مشکوۃ میں فرماتے ہیں۔ معلوم رہے کہ ہمارے

AsliAhleSunnet.com

نزدیک ہبہ اور صدقہ میں رجوع کرنا قبضہ کے بعد جائز ہے۔ مگر ان اسباب کے ساتھ جو فقہ میں مذکور ہیں۔ منجملہ ان کے تعویض اور قرابت محرمیت ہے۔ اور ایک حدیث اس باب میں ذکر کی گئی ہے۔ اور جو حدیث ہبہ کے واپس کرنے کے باب میں ہے وہ کراہت اور عدم مروت کے بیان کے واسطے ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اسی حدیث کی وجہ سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کو حرمت پر محمول کیا ہے۔ اور شافعی کے نزدیک اور ایک روایت کے موافق احمد کے نزدیک بھی والد کا اس چیز میں رجوع کرنا جائز ہے۔ جو اس نے اپنے بچے کو ہبہ کی ہے۔ اسلئے کہ ولد اور اس کا مال والد کے واسطے ہے اور احادیث اس پر شاہد اور ناطق ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ولد کے ہبہ میں والد کے رجوع کرنے کے یہی معنی ہیں۔ کہ وہ اس مال کو لیلے۔ اور حاجت کے موقع پر اپنے اخراجات میں اس کو صرف کرے۔ جیساکہ اسکے باقی مالوں میں وہ تصرف کرتا ہے۔ الغرض باوجودیکہ علمائے امامیہ میں سے شیخ طوسی کے سوا اور کوئی عالم اس قول کا قائل نہیں ہے شیخ عبدالحق دہلوی نے بھی علمائے حنفیہ سے ایسی ہی تصریح فرمائی ہے۔ پس اس مسئلے کو اس باب میں ذکر کرنا محض لغو ہے۔

قول مصنف تحفہ۔ نیز یہ لوگ کہتے ہیں کہ بلی کو وقف کرنا جائز ہے۔ اور خدا جانے کہ بلی میں کیا فائدہ ہے۔ اور اس سے کونسا نفع حاصل ہوتا ہے۔ جو اس کا وقف کرنا جائز ہوا۔ انے بار خدا! شاید بلا بھی بلی کی وطی کے کام میں آتا ہوگا ؟ انتہی کلامہ۔

جواب باصواب۔ اس مسئلہ میں امامیہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ جس چیز سے اسکی بقا کے ساتھ حلال نفع حاصل کرنا صحیح اور درست ہو۔ اس کا وقف کرنا جائز ہے۔ اور اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ اکثر حیوانات مثلاً کتے۔ بلی وغیرہ سے نفع حاصل کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ اول یعنی کتے سے تو باغ۔ گھر اور زراعت وغیرہ کی حفاظت اور رکھوالی متصور ہے۔ اور دوم یعنی بلی سے چوہوں کا مارنا اور حشرات الارض کو اپنی خوراک بنانا مدنظر ہے۔ اور ان امور خصوصاً چوہے مارنے کا فائدہ تمام مساکن اور مکانات بود وباش میں ہے۔ خصوصاً مدارس اور مساکن طلبہ میں کہ وہاں کتابوں کی حفاظت کی زیادہ تر ضرورت ہے۔ اور ارباب عقل و دانش خوب جانتے ہیں۔ کہ چوہا کتابوں کے لئے سب سے بڑی آفت اور سخت مصیبت ہے پس ایسے مقامات میں اسکے وقف کا سب سے بڑا فائدہ ہوگا۔ شرائع میں فرمایا ہے۔ وضابطہ کل

AsliAhleSunnet.com

ما یصح الانتفاع بہ منفعۃ محللۃ مع بقاء عینہ وکذا یصح وقف الکلب والسنور لامکان الانتفاع ولا یصح وقف الخنزیر لانہ لا یملکہ المسلم و کذا وقف الآبق لتعذر التسلیم (اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کا وقف کرنا درست ہے۔ جس سے اسکے عین کی بقا کے ساتھ منفعت حلال کا حاصل کرنا صحیح ہو اور اسی طرح کتے اور بلی کا وقف کرنا درست ہے۔ کیونکہ ان سے نفع حاصل کرنا ممکن ہے۔ اور سور کا وقف درست نہیں۔ اسلئے کہ مسلمان اس کا مالک نہیں ہوتا۔ ایسا ہی بھاگے ہوئے غلام کا وقف کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کو سپرد کرنا متعذر اور ناممکن ہے) حالانکہ شافعی اور احمد اور ایک روایت کے بموجب مالک بھی وقف حیوانات کے جواز کے قائل ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعراوی نے کتاب رحمۃ للامۃ فی اختلاف الائمہ میں فرمایا ہے۔ وقف الحیوان یصح عند الشافعی و احمد وھی روایۃ عن مالک وقال ابو حنیفہ وابو یوسف لا یصح وھی الروایۃ الاخریٰ عن مالک (شافعی اور احمد کے نزدیک حیوان کا وقف صحیح ہے۔ اور مالک سے بھی ایک روایت میں ایسا ہی وارد ہوا ہے۔ اور ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا قول ہے۔ کہ حیوان کا وقف صحیح نہیں۔ اور مالک سے بھی دوسری روایت میں ایسا ہی مروی ہے۔) اور اس میں شک نہیں۔ کہ بلی حیوان کی ایک نوع ہے۔ اور ان مجتہدین عظام میں سے کسی سے حیوان کی وقف کے باب میں ماسوائے گربہ کی تخصیص ماثور اور مرقوم نہیں ہے۔ پس ان کے نزدیک گربہ یعنی بلی کے وقف میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس قول کے موافق اس مسئلے کو اس باب میں درج کرنا محض لغو اور خبث ہے۔ اور مصنف نے جو یہ فرمایا ہے۔ "اسے بار خدا! شاید گربہ (بلا) اور گربہ مادہ (بلی) کی وطی بھی کے کام میں آتا ہوگا" یہ اس امر کی دلیل ہے کہ موصوف کو شریعت غرا کے علل احکام کی طرف ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ عنایت الٰہیہ جس سے نظام خیر سے اس باری تعالیٰ کا علم مراد ہے۔ تمام کائنات کی بقائے نوع کی مقتضی ہے بعض اوقات اگر کوئی شخص حسب مضمون الاعمال بالنیات بلی کو محض اس کی بقائے نوع کے قصد سے وقف کرے چونکہ اس فعل میں اسکو حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا مقصود اور مطلوب ہے۔ اسلئے کسی طرح کی شناعت اور قباحت اس پر عائد نہ ہوگی۔ بلکہ مزید مثوبات کا باعث ہوگا۔ اور مصنف علام نے جو ظرافت کی تعریض فرمائی ہے۔ اس کا جواب بھی نہایت ظاہر اور واضح ہے۔ کیونکہ بعض احکام عشرہ مشرکین اور منافقین کی ذلت

اور اہانت کرنے ہی کی غرض سے وضع کئے گئے ہیں۔ اسلئے اگر کوئی ظریف گریہ (خر) کو محبان بنی امیہ و آل مروان کی گربہ مادہ (یعنی بلیوں کے ساتھ جفتی کھانے کی غرض سے کہ اس میں اس گروہ شقاوت پژوہ کی جو مخربان دین الٰہی ہیں۔ ذلت اور اہانت ہے۔ وقف کرے۔ تو وہ انما لکل امرء ما نوی (ہر ایک شخص اپنی نیت کا عوض پاتا ہے) کے مضمون کے موافق ماجور و مثاب ہوگا۔

مخالفین کو بغرض تحریف مصنف تحفہ کی افترا پردازی

قول مصنف تحفہ ۔ نیز ان کا بالاجماع یہ قول ہے۔ کہ کنیز کی فرج کا وقف کرنا جائز ہے پس وہ خرچی پر جائے۔ اور متعہ کرے۔ اس کی آمدنی اس شخص پر جس نے اسکو اس کے واسطے وقف کیا ہے حلال اور طیب ہے۔ نوش جان فرمائیں۔ خدا اس مذہب پر لعنت کرے۔ اب شریعت میں اور آئین راجہائے بوندی میں کچھ بھی فرق و تفاوت نہ رہا۔ انتہی کلامہ۔

مسئلہ کی اصلی صورت

جواب باصواب مصنف نے جو کچھ یہاں تحریر فرمایا ہے۔ محض جھوٹ اور افترا ہے مسئلہ کی صورت کو عوام کالانعام کو غلطی میں ڈالنے کی غرض سے تحریف کر دیا ہے۔ مسئلہ کی صورت یہ ہے۔ کہ کنیز موقوفہ کی تزویج درست ہے۔ اور اس کا مہر مالکان وقف کی ملکیت ہے۔ کیونکہ کنیز وقف ہو کر اپنے تمام فوائد سمیت مالک اصلی کی ملکیت سے ارباب وقف کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ شرائع میں فرمایا ہے۔ ویجوز تزویج الامۃ الموقوفۃ ومہرها للموجودین من ارباب الوقف لانہ فائدۃ کاجرۃ الدار (اور وقف شدہ کنیز کی تزویج یعنی نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اس کا مہر موجودہ مالکان وقف کے واسطے ہے۔ اسلئے کہ وہ فائدہ اور نفع ہے۔ جیسے گھر کا کرایہ) صاحبان عقل و انصاف پر خوب واضح اور روشن ہے۔ کہ اس حکم میں ذرا بھی قباحت اور شناعت نہیں ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے۔ کہ اس کلام میں کنیز موقوفہ کی تزویج کا جواز اور اسکے مہر کا ارباب وقف سے متعلق ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔ نہ کہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ کنیز کی فرج کا وقف کرنا جائز ہے۔ اور موقوفہ کنیز کی تزویج کے جائز جاننے میں عرفاً اور

مناسب نتیجہ

شرعاً کسی قسم کی شناعت اور قباحت نہیں ہے یہ بات ضروریات اسلام میں داخل ہے۔ کہ توقان اور خواہش کے وقت اور جبکہ زنا میں پڑنے کا خوف ہو۔ نکاح کر دینا لازمی اور حتمی ہے۔ چونکہ کنیز اپنے مہر کی مالک نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا مہر اسکے نفس کی طرح اسکے آقا کی ملک ہوتا ہے۔ اور یہ بات اہل سنت کے ہاں بھی معتبر اور مسلم ہے۔ جیسا کہ بکر (علمائے اعلام سے نقل کیا گیا ہے۔ اور اسلئے کہ مسئلہ زیر بحث میں کنیز مالک کی ملک سے نکل چکی ہے۔ اس کا مالک بھی اسکے مہر کا مالک نہیں ہو سکتا۔ پس لامحالہ اس کا مہر انہی لوگوں سے متعلق ہوگا۔ جن کی طرف وہ مالک نے

AsliAhleSunnet.com

منتقل ہو کر آئی ہے یعنی ارباب وقف سے متعلق ہوگا - اور وہی اسکے مہر کے مالک ہو نگے
بلکہ شناعت اور بُرائی تزویج کے عدم جواز کی صورت میں ہے - اسلئے کہ وقف جواری کے
جائز ہونے کی صورت میں اگر ان کی تزویج واقع نہ ہو یعنی ان کا نکاح نہ کیا جائے - تو جواری
موتو فہ قبائح اور فواحش کی مرتکب ہونگی - اور یہ اقبح قبائح اور تمام برائیوں سے بدتر ہے
اور حنفیہ بھی قائل ہیں - کہ جواری کا وقف کرنا اور ان کی شادی کرنا جائز ہے - اور اس بات
کو مانتے ہیں - کہ ان کا مہر ارباب وقف سے تعلق رکھتا ہے - جب جواری یعنی کنیزوں کی
شادی اور نکاح کر دینے کا جواز ثابت ہو گیا - اور ابھی یہ بھی بیان کیا جائیگا کہ متعہ بھی ایک
قسم کا نکاح ہے - اور اس میں مدت اور عدت شرط ہے - کچھ اور شرائط ہیں جو کتب
فقہ میں بیان ہو چکی ہے پس تشنیع اور راجہ اے بوندی کے آئین سے مماثلت اور
مشابہت اس وقت لازم آتی - کہ جواری محض اسی کام کے لئے وقف کرتے - اور ان کے
فروج کا فائدہ ارباب وقف کو پہنچاتے - جبکہ یہ صورت نہیں ہے پس تشنیع بھی کچھ نہیں
حالانکہ حنفیہ بھی اسی قسم کے وقف کے قائل ہیں - فتاویٰ عالمگیریہ میں اس کی تصریح موجود
ہے - کہ رباط اور کارواں سراؤں کی مصالح کے لئے غلاموں اور کنیزوں کا وقف کرنا جائز
ہے - اسکی اصل عبارت یہ ہے - وقف الغلمان والجواری علیٰ مصالح الرباط
یجوز ولو زوج الحاکم جاریۃ یجوز لانہ یلزم علیہ المھر والنفقۃ ولو زوج
عبد الوقف من امتہ لا یجوز کذا فی الوجیزۃ (کارواں سرا کی مصالح کی بنا پر
غلاموں اور کنیزوں کا وقف کرنا جائز ہے - اور اگر حاکم کسی کنیز کا عقد کر دے تو جائز ہے
اسلئے کہ اس پر مہر اور نفقہ لازم ہے - اور اگر وقف کے غلام کا وقف کی کنیز سے نکاح کرے
تو جائز نہیں ہے - وجیزہ میں ایسا ہی ہے) اس بیان سے واضح ہو گیا - کہ یہ حکم امامیہ
سے مخصوص نہیں ہے - اور ان پر کسی قسم کی طعن و تشنیع عائد نہیں ہوتی - اور اس مسئلے
کا قائل شرعاً اور عرفاً لعنت کا مستحق نہیں ہوتا - بموجب اس حدیث کے جس کو ابو داؤد نے
ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے - اور شیخ جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر میں
بھی اس کی روایت کی ہے - قال سمعت رسول اللہ یقول اذا لعن العبد شیئاً
صعدت اللعنۃ الی السماء فتغلق ابواب السماء دونھا ثم تھبط الی الارض
فتغلق ابوابھا دونھا فیاخذ یمیناً و شمالاً فاذا لم یجد مساغا رجعت الی

AsliAhleSunnet.com

الذی لعن فان کان لذلک اھلا والا رجعت الی قائلھا - (راوی کہتا ہے کہ میں نے سنا کہ رسولخدا صلعم فرماتے تھے - کہ جب بندہ کسی چیز کو لعنت کرتا ہے - تو وہ لعنت آسمان کی طرف صعود کرتی ہے - پس آسمان کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں - پھر وہ زمین کی طرف اُترتی ہے - پس زمین کے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں تب وہ دائیں بائیں چکر لگاتی ہے - جب کہیں گنجائش نہیں پاتی - تو اس چیز کی طرف رجوع کرتی ہے جس پر لعنت کی گئی ہے - اگر وہ اس کی مستحق ہے - ورنہ اسکے کہنے والے کی طرف رجوع کرتی ہے -) ظاہر ہے کہ لعنت کا مستحق کون ہوگا - نیز چونکہ حنفیہ بھی اس مسئلے کے قائل ہیں پس اس کا اس باب میں درج کرنا محض لغو و عبث ہے -

قول مصنف تحفہ - نیز یہ لوگ کہتے ہیں - کہ باوجود خواہش کے نکاح نہ کرنا مستحب ہے - حالانکہ یہ انبیا اور اوصیا کی سنت کے خلاف ہے - کیونکہ انہوں نے خود بھی نکاح کیا ہے - اور دوسرے شخصوں کو بھی نکاح کا امر فرمایا ہے - ہاں بیشک انبیا اور اوصیا کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا - کہ جماع کی خواہش متعہ اور فرج عاریتی سے بھی دفع ہو سکتی ہے - نکاح کی بار برداری کی کیا ضرورت ہے ؟ انتھی کلامہ

جواب باصواب - مصنف نے جو کچھ یہاں پر تحریر کیا ہے - وہ کذب محض اور افترائے صریح ہے - کیونکہ علمائے امامیہ میں سے کوئی عالم بھی باوجود خواہش کے ترک نکاح کے استحباب کے قائل نہیں ہوا - بلکہ جب خواہش ہو - اور زنا میں پڑنے کا ڈر ہو - تو سب علما نے بالاتفاق وجوب نکاح کی تصریح فرمائی ہے - شرح لمعہ میں فرماتے ہیں - النکاح مستحب موکد لمن یمکنہ فعلہ ولا یخاف الوقوع بترکہ فی محرم والا وجب قال اللہ تعالی فانکحوا ما طاب لکم من النساء وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم واقل مراتب الامر الاستحباب وقال صلعم من رغب عن سنتی فلیس منی وان من سنتی النکاح (نکاح سنت موکدہ ہے - اس شخص کے لئے جو اسپر قدرت رکھتا ہو - اور اسکے ترک کرنے سے حرام میں پڑنے کا خوف نہو - ورنہ واجب ہے - اللہ تعالی فرماتا ہے "نکاح کرو تم ان عورتوں سے جو تمھارے لئے پاک اور طیب ہوں - اور تم نکاح کردو بیوہ عورتوں اور مردوں کا - جو تم میں سے ہیں - اور اپنے نیکوکار غلاموں

AsliAhleSunnet.com

اور کنیزوں کا۔ اگر وہ فقیر و محتاج ہوں۔ تو خدا اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیگا اور اللہ وسعت دینے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اس حکم کا سب سے کم مرتبہ استحباب ہے۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ جو کوئی میری سنت سے انکار کرے۔ وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (وہ نکاح میری سنت سے ہے) اور حاشیہ شرائع الاسلام میں فرمایا ہے۔ النکاح علیٰ خمسۃ اقسام واجب کنکاح من یخاف من الزنا ومندوب کنکاح من لا یخاف وقوعہ فی الزنا (نکاح پانچ قسم پر ہے۔ واجب۔ جیسے اس شخص کا نکاح کرنا جو زنا میں پڑنے سے ڈرے۔ اور مستحب ہے جیسے اس شخص کا نکاح جس کو زنا میں پڑنے کا خوف نہ ہو۔ الخ) جامع عباسی میں فرمایا ہے۔ نکاح کرنے والے اشخاص کے لحاظ سے نکاح کی پانچ قسمیں ہیں (۱) واجب وہ اس وقت ہے۔ کہ اس کا نفس مشتاق ہو۔ کہ اگر نکاح نہ کرے۔ تو زنا میں پڑ جائیگا۔ (۲) سنت۔ وہ اس وقت ہے۔ کہ زنا کا خوف نہ ہو اور نفقہ اور مہر پر قادر ہو۔ انتہی۔ اور دیگر شواہد کا ذکر کرنا تطویل لاطائل ہے۔ یہاں اسی قدر کافی ہے۔ الغرض امامیہ نکاح کو خواہش اور زنا میں پڑنے کے خوف کی حالت میں واجب جانتے ہیں۔ اور اس صورت میں اسکے ترک کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ برخلاف اس کے فقہا و مجتہدین اہلسنت امام احمد کے سوا نکاح کو خواہش اور زنا میں پڑنیکے خوف کی حالت میں مستحب کہتے ہیں۔ اور اسکے ترک کو اس صورت میں جائز جانتے ہیں متفق اور مفترق موسوم بہ افصاح میں فرمایا ہے۔ واتفقوا علیٰ من تاقت نفسہ الیہ وخافت اللعنت فانہ یتاکد فی حقہ (اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ جس شخص کا نفس نکاح کا مشتاق ہو۔ اور اس کو زنا کا خوف ہو۔ اسکے حق میں تاکید نکاح کی ہے) پس اس کا ترک جائز ہو۔ اور ان کے صوفیہ کی ایک جماعت ترک نکاح کو مستحب جانتے ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب میں اپنے مقام پر انشاءاللہ ذکر کیا جائیگا۔ ابن جوزی کتاب تلبیس ابلیس میں فرماتے ہیں۔ قال ابو حامد الطوسی ینبغی ان لا یشتغل المرید نفسہ بالتزویج فانہ یشغل عن السلوک وتانس بالزوجۃ ومن انس بغیر اللہ شغل عن اللہ تعالیٰ۔ (ابو حامد طوسی نے کہا ہے۔ کہ مرید کے لئے یہ مناسب ہے۔ کہ وہ نفس کو تزویج میں مشغول نہ کرے۔ کیونکہ وہ اسکو سلوک سے روکتی ہے۔ اور اس کا نفس زوجہ سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اور جو کوئی غیر خدا سے مانوس ہو جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے۔) تعجب کا مقام ہے کہ فاضل مصنف

AsliAhleSunnet.com

نے افترا کر کے مادہ تشنیع کو برعکس کر دیا ہے۔ معلوم نہیں۔ کہ جناب افادت مآب کو جو اس زمانہ موجودہ میں اپنے آپکو سر دفتر مجتہدین جانتے ہیں۔ بلکہ تیرہویں صدی کے مجتہدین میں سے شمار کرتے ہیں۔ جھوٹ کے ارتکاب میں جو بالاجماع قوادح عدالت میں شمار ہے۔ کونسا نفع متصور ہے۔ اور کیا فائدہ مدنظر ہے۔ کہ اس کتاب کے اکثر مقامات میں اسی طرح بے دھڑک اسکے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور سب سے عجیب تر بات یہ ہے۔ کہ باوجود اس تمام کذب و افترا کا ارتکاب کرنے کے جناب موصوف کی عدالت میں ذرہ بھر خلل بھی واقع نہیں ہوتا۔ ان ھذا لشیء عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ اور بالفرض اگر انبیا و اوصیائے اسلف کو معلوم نہ تھا۔ کہ جماع کی خواہش متعہ سے دفع کر سکتے ہیں لیکن جناب سرور کائنات علیہ وآلہ السلام کی نسبت تو اس امر کے علم رکھنے کے باب میں کسی قسم کا شک و ریب باقی نہیں ہے۔ کہ باجماع امت اور باتفاق اہلسنت آنحضرت صلعم نے غزوہ خیبر تک بلکہ فتح مکہ اور روز اوطاس تک بلکہ حجۃ الوداع تک مشروع فرمایا تھا۔ اس پر بھی آنحضرتؐ نے خود بھی نکاح کئے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی نکاح کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ متعہ کی اباحت کا قائل ہونا نکاح کی بابرداری کا منافی نہیں ہے نتیجہ یہ کہ اس قول کا دوسرے اقوال کی طرح اس باب میں درج کرنا محض لغو و بے کار ہے۔

قول مصنف تحفہ۔ نیز یہ لوگ کہتے ہیں کہ جن دنوں میں چاند عقرب میں ہو۔ یا تحت الشعاع ہو نکاح کرنا مکروہ ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں اہل شرع کے مقاصد کے مخالف ہیں جو ابطال نجوم کے لئے آئی ہے۔ بلکہ اصول حنفاء کے مخالف اور روش صابئین کے موافق اور مطابق ہیں۔ انتہی کلامہ

جواب باصواب۔ مصنف کا یہ کلام چند وجوہ سے باطل اور مردود ہے۔

وجہ اول۔ یہ کہ یہ حکم بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ بعض علمائے اہلسنت نے بعض موقعوں پر حساب تقویم کواکب اور منازل قمر کے موافق عمل کرنا جائز رکھا ہے۔ چنانچہ ابن شریح جو عظمائے شافعیہ سے ہے۔ اور بعض دیگر علما نے روزے کے دخول وقت کے باب میں حساب تقویم کواکب اور منازل قمر کے موافق عمل کرنا جائز جانا ہے۔ متفق و مفترق میں ہے۔ اتفقوا علی انہ لا اعتبار بمعرفۃ الحساب والمنازل فی دخول وقت الصوم واختلفوا خلافاً لابن سریج من الشافعیۃ علما نے اس باب میں کہ روزے کے وقت کے داخل ہونے

AsliAhleSunnet.com

ہیں حساب اور منازل کی معرفت کچھ قابل اعتبار نہیں ہے باہم اتفاق اور اختلاف کیا ہے برخلاف ابن شریح کے جو علمائے شافعیہ سے ہے) اور کتاب رحمۃ للامۃ میں اس قول کو عارف حساب سے مخصوص کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ واتفقوا علی انہ لا اعتبار لمعرفۃ الحساب والمنازل الا فی وجہ عن ابن شریح من عظماء الشافعیۃ بالنسبۃ الی العارف بالحساب (اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ حساب اور منازل کی معرفت معتبر نہیں ہے۔ لیکن ایک صورت میں جو عظمائے شافعیہ میں سے ابن شریح سے مروی ہے یعنی صرف عارف حساب کے لئے) اور اس نے اس باب میں اس روایت کو اپنا مستند قرار دیا ہے۔ جو مزنی نے شافعی سے مالک سے نافع سے ابن عمر سے روایت کی ہے۔ قال لا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروا الھلال فان غم علیکم فاقدروا لہ (فرمایا۔ تم روزہ نہ رکھو۔ جب تک کہ ہلال کو نہ دیکھو۔ اور افطار نہ کرو۔ جب تک ہلال کو نہ دیکھو۔ پس اگر تم کو شبہ رہے۔ تو اسکے لئے اندازہ کر لو۔) صاحب جامع الاصول مسند شافعی کی شرح میں فرماتے ہیں۔ فاما معنی الکلام فانہ یرید قدروا عدد الشھر حتی تکملوہ ثلثین یوما وقال ابو العباس بن شریح معنی قولہ فاقدروا لہ منازل القمر فانھا بیین لکم ان الشھر تسع وعشرون او ثلثون قال ھذا خطاب لمن یخصص بھذا العلم من اھل الحساب قال وقولہ فاکملوا العدۃ خطاب لعوام الناس الذین لا یحسنون تقدیر المنازل قال وھذا نظیر المسئلۃ المشکلۃ ینزل بالعالم الذی اعطی الاجتھاد فی تبیین صوابھا فامر باجتہاد رائہ ونہی عن تقلید العلماء فیھا حتی یتبین لہ الصواب کما بان لھم واما عوام الناس الذین لم یؤتوا الۃ الاجتھاد فلھم تقلید اھل العلم قال الازھری والقول الاول عندی اصح وارجو ان یکون قول ابی العباس غیر خطاء۔ انتہی (لیکن اس کلام کے معنی یہ ہیں۔ کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ تم مہینے کی گنتی کا اندازہ کرو۔ یہاں تک کہ تم اسکو تیس دن کا کہو۔ اور ابو العباس بن شریح نے کہا ہے۔ کہ آپ کے قول فاقدروا لہ کے معنی منازل قمر ہیں۔ یعنی کہ منازل قمر کا اندازہ کرو۔ کہ ان سے تم کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ مہینا انتیس دن کا ہے یا تیس دن کا۔ ابن شریح کہتا ہے۔ کہ یہ خطاب ان لوگوں سے ہے۔ جو اہل حساب میں سے اس علم سے مخصوص ہیں۔ اور حضرتؐ کے قول فاکملوا العدۃ (گنتی کو کامل کرو) کا خطاب

صاحب جامع الاصول

ابن شریح کا قول

AsliAhleSunnet.com

عوام الناس سے ہے۔ جو منازل قمر کا حساب اچھی طرح نہیں جانتے۔ ابن شریح کہتا ہے۔ یہ مسئلہ اس مسئلہ مشکلہ کی مانند ہے جو اس عالم کو دیا جاتا ہے۔ جو اس کی صواب اور درستی کے بیان کرنے میں اجتہاد کر سکتا ہے۔ پس اس کو اجتہاد رائے کا حکم دیا۔ اور اس مسئلہ میں علماء کی تقلید سے منع کیا ہے۔ تاکہ اس کو درستی اور صواب ظاہر ہو جائے۔ جس طرح ان پر ظاہر ہوئی۔ لیکن عوام الناس جن کو آلہ اجتہاد عطا نہیں ہوا۔ پس ان کو اہل علم کی تقلید لازم ہے ازہری کہتا ہے کہ پہلا قول میرے نزدیک سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ ابو العباس کے قول میں غلطی نہیں ہے یعنی وہ قول درست ہے) نیز مسند شافعی کی شرح میں فرمایا ہے۔ وحکی عن قوم انھم یجتہد فی ذلک ویرجع الی قول المنجمین (اور ایک گروہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ اس باب میں اجتہاد کیا جاتا ہے اور منجموں کے قول کی طرف رجوع کی جاتی ہے۔) ملا علی قاری نے شرح نخبۃ الفکر میں بعض علمائے اہل سنت سے نقل کیا ہے۔ کہ محمد بن مقاتل منجمین سے سوال کرتا تھا اور ان کے قول متفق علیہ پر عمل کیا کرتا تھا۔ اور اس کی عبارت یہ ہے۔ واما ما ذکرہ بعض علمائنا عن محمد بن مقاتل انہ کان یسئل المنجمین ویعتمد علی قولھم بعد ان یتفق علی ذلک جماعۃ منھم الی اخر ما قال۔ نیز تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے۔ ھل للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ۔ ففیھا وجھان احدھما یجوز والثانی لا یجوز (آیا منجم کو اختیار ہے۔ کہ وہ اپنے حساب کے موافق عمل کرے۔ پس اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک جائز ہے۔ اور دوسری ناجائز ہے۔) الغرض منازل قمر کے موافق عمل کا جائز رکھنا بعض اوقات آنحضرت صلعم کی حدیث شریف کے محتملات سے استنباط کیا گیا ہے۔ اور اصول فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ عموم لفظ معتبر ہے۔ نہ کہ خصوص سبب۔

وجہ دوم۔ یہ کہ مقصد شرع کو ابطال نجوم جاننا سوء تحقیق کی وجہ سے ہے۔ اسلئے کہ شرع مطہر و مقدس کا مقصد اسنے اور غایت قصوے۔ حق تعالیٰ کا ثابت کرنا ہے اور اسکے ماسوا کی نفی کرنا اسکے لوازم و توابع سے ہے۔ تفسیر نیشاپوری میں آیہ کریمہ۔ الھکم الہ واحد کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں وفیہ نکتۃ شریفۃ وھی ان اثبات الحق وقع فی کلتا الفقرتین بالمطابقۃ لیعلم ان المقصد الاسنی والغایۃ القصویٰ الی ما قال (اور اس میں ایک شریف نکتہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا اثبات ان دونوں

AsliAhleSunnet.com

کلموں میں بالمطابقت واقع ہوا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ مقصد اعلیٰ اور غرض اصلی ہے
وجہ سوم۔ یہ کہ اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے۔ کہ شرع کا مقصد یہ ہے کہ نجوم کو باطل کیا جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مقاصد شرعیہ کی مخالفت اور روش صابئین کی موافقت اس وقت لازم آتی ہے۔ کہ یہ امور اصطلاح منجمین کے مطابق ہوں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مولانا محمد باقر مجلسی طاب ثراہ حق الیقین میں فرماتے ہیں۔ کہ وہ بھی منجموں کی اصطلاح کے موافق نہیں ہے۔ بلکہ اس سے عقرب کے ستاروں کی محاذات مراد ہے چنانچہ عرب کا مدار اسی پر ہے۔ حالانکہ عرب میں نہ کوئی منجم مشہور ہوا ہے۔ اور نہ کوئی تقویم شائع ہوئی ہے۔ اور شارع علیہ السّلام کی عادات جمیلہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ کہ آنحضرت نے عبادات اور معاملات کی بنیاد امور ظاہرہ پر رکھی ہے جن میں عوام اور خواص کو ایک ہی نسبت ہے۔ اور اس زمانہ میں عقرب کے اکثر ستارے برج قوس میں منتقل ہو گئے ہیں۔

وجہ چہارم۔ بالفرض اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے۔ کہ ان امور میں اصطلاح نجوم کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے تو اس صورت میں بھی مقاصد شرع کی مخالفت اور روش صابئین کی موافقت اس وقت لازم آتی ہے کہ قمر اور دوسرے ستاروں کو اپنے اعتقاد میں موثر حقیقی جانیں۔ اور جبکہ ستاروں کو حقیقی موثر نہیں جانتے تو اس میں کسی قسم کی قباحت لازم نہیں آتی۔ اور مقاصد شرع کی مخالفت اور طریقہ صابئین کی موافقت متحقق نہیں ہوتی۔ در اصل اس قسم کے اوامر و نواہی سد ذرائع کی قسم سے ہیں۔ کہ اگر مثلاً نکاح وغیرہ کا ایسے دنوں میں اتفاق پڑ جائے اور تقدیرات ربانی سے ناکح اور منکوحہ پر کوئی نحوست وارد ہو جائے۔ تو فرومایہ اور ناکس جاہل لوگ۔ ستاروں کی تاثیر حقیقی پر محمول کیا کرتے ہیں۔ اور یہ بات ان کے بد اعتقادی اور ظنون فاسدہ کے راسخ اور پختہ طور پر قائم ہونے کا باعث ہو جاتی ہے۔ اسلئے مادہ ظن کو منقطع کرنے کی غرض سے ان ایام میں نکاح کو منع فرمایا ہے۔ چنانچہ جذامی سے فرار کرنے کے بارے میں جو امر فرمایا ہے۔ اسکے باب میں بھی علماء نے اسی قسم کی توجیہ فرمائی ہے۔ مصنف جو محض قشری ہیں۔ اس امر پر متنبہ ہونے کی وجہ سے ایرادات باردہ اور اعتراضات غیر واردہ فرماتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک باعث اور بھی ہے۔ کہ مناوی نے کتاب فیض القدیر شرح جامع صغیر میں خطیب سے نقل کیا ہے۔ کہ اس نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے۔ ان علیاً کرم اللہ وجہہ کرہ ان تتزوج الرجل او

AsliAhleSunnet.com

یسافر فی المحاق واذا نزل القمر العقرب قال والمحاق اذا بقی من الشہر یوماً
او یومین انتہٰی (کہ علی کرم اللہ وجہہ مکروہ جانتے تھے۔ کہ کوئی شخص محاق میں اور اس
وقت میں جبکہ قمر برج عقرب میں نازل ہو نکاح کرے یا سفر میں جائے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ
محاق اس وقت کو کہتے ہیں۔ جبکہ مہینے میں ایک دن یا دو دن باقی رہجائیں۔) شیخ عبدالحق
دہلوی نے بھی اپنی بعض کتابوں میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔ اور جناب فضیلت مآب
حروریت دستگاہ کو چونکہ بغض و عداوت حضرت امیر المومنین علیہ السّلام میراث میں پہنچا ہے۔ اس لئے
جناب موصوف نے عمداً اس بزرگوار کے احکام پر زبان اعتراض دراز کرکے اپنے نصب و خروج کو سب
پر ظاہر و باہر کردیا ہے۔ حالانکہ بعض اصحاب کبار بھی اپنے بعض معاملات کو بعض ستاروں کے
طلوع سے منوط اور وابستہ رکھتے تھے۔ اگر تقویم اور منازل قمر کے حساب کو عمل میں لانا مطلقاً شرع
شریف سے خارج ہونے اور رسوم صابیین کی خواہش کا باعث ہوتا۔ تو یہ امر ان بزرگواروں سے
ہرگز ہرگز وقوع میں نہ آتا۔ بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ اخبرنی خارجہ بن زید
بن ثابت ان زید بن ثابت لم یکن یبیع ثمار ارضہ حتی یطلع الثریا فیتبین
الاصفر من الاحمر (خارجہ بن زید بن ثابت نے مجھکو خبر دی ہے۔ کہ زید بن ثابت اپنی
زمین کے پھلوں کو فروخت نہ کرتا تھا جب تک کہ ثریا طلوع نہ کرے۔ پس اس وقت زرد اور
سرخ الگ الگ معلوم ہوجاتے ہیں۔)

وجہ پنجم۔ یہ کہ ان اقوال کے نقل کرنے سے واضح ہوگیا۔ کہ اہل سنت کے بعض علما قائل ہوئے
ہیں۔ کہ بعض اوقات منازل قمر اور اہل نجوم کے حساب کے موافق عمل کرنا جائز ہے۔ اور بعض
اصحاب رسول بھی اپنے بعض معاملات کو بعض ستاروں کے طلوع پر موقوف رکھتے تھے
اور امامیہ کے قول کے موافق اس مسئلے میں حضرت امیرؑ سے روایت کتب اہل سنت و جماعت
میں وارد ہوئی ہے پس اس مسئلے کو اس باب میں جو خصائص امامیہ کے لئے خاص
کیا گیا ہے۔ ذکر کرنا لغو محض ہے۔

قول مصنف تحفہ۔ نیز یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ نو سال کی عمر ہونے سے پہلے عورت
کے ساتھ دخول کرنا حرام ہے۔ اگرچہ توانا اور پُرگوشت ہو۔ حالانکہ اس بات کو شرع
میں کچھ بھی دخل نہیں ہے۔ انتہٰی کلامہ۔

جواب باصواب۔ اپنے مقام میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ جنس اناث کی پیدائش جنس ذکور

AsliAhleSunnet.com

کی نسبت اصل فطرت میں نہایت ضعیف الجثہ اور کمزور واقع ہوتی ہے۔ ان کے اعضا نہایت .... نازک اور ملائم ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ نہ سالہ ہونے سے پہلے جو امامیہ کے نزدیک عورت کے بلوغ کی حد ہے۔ عورتوں کے اعضا نہایت نرم و نازک اور مزاج نہایت ضعیف اور سست ہوتا ہے۔ اسلئے وہ نہ سالہ ہونے سے پہلے جماع کے صدمات کی تاب نہیں لا سکتی۔ خصوصاً جب کہ جماع کنندہ مرد قوی الجثہ اور کثیر الباہ ہو۔ لیکن ہاں اگر عورت زنان بنی امیہ میں سے ہو۔ تو بیشک کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اُن میں بمقتضائے قول شریف ولکم فی النساء شبق (تم کو عورتوں کی خواہش بہت زیادہ ہے) یہ قوت غالب اور مرد کا اشتیاق بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس عمر میں جماع کرنا اکثر افضا کا باعث ہوا کرتا ہے۔ جس میں آگا پیچھا ایک ہو جاتا ہے۔ اور اس حالت کے عارض ہونے سے عورت کی خلقت اور ہیئت و صورت میں کمال نقصان اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عورت اسکے بعد مرد کے قابل نہیں رہتی۔ شرع شریف میں بھی افضا کو ان عیوب میں قرار دیا گیا ہے جن سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض موقعوں پر عورت کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے چنانچہ یہ بات تجربہ میں آچکی اور اس زمانے میں مشاہدہ ہو چکی ہے۔ اور کئی لڑکیاں ہلاک ہو گئی ہیں۔ علاوہ ازیں اس سن میں عورت سے جماع کرنا نہایت ردی اور فساد دماغ کا باعث اور مجامعت کنندہ کے غم و وسواس میں پڑنے کا موجب ہوا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اطبا تیرہ سال سے کم عمر کی عورت سے جماع کرنے کو ردی اور ناقص جانتے ہیں۔ الغرض سات آٹھ سال کی عورت سے جماع کرنا اکثر عورت کی ہلاکت اور سخت ضرر کا باعث ہوتا ہے۔ اور اکثر کو کل کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسلئے مذہب امامیہ میں نو سال سے کم عمر کی عورت کے ساتھ جماع کو حرام کر دیا ہے۔ تاکہ ضرر و ہلاکت کا سد باب ہو جائے۔ اور ہر ایک مسئلہ کے لئے خاص نص لازم نہیں ہے۔ بہت سے مسائل کتاب و سنت کے اطلاقات و عمومات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اور اس مقام میں قولہ تعالیٰ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کا اطلاق و عموم اور دوسرے نصوص جو ہلاکت نفس کے موجبات سے بچنے اور اعضاء کے فساد و نقصان کے بواعث سے اجتناب و پرہیز کرنے کے باب میں وارد ہوئے ہیں۔ کافی ہیں۔ حالانکہ یہ حکم حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت سنیہ سے استنباط کیا گیا ہے کیونکہ ام المومنین عائشہ صدیقہ چھ سال کی عمر میں آنحضرت صلعم کے نکاح میں آئیں۔ اور جب تک

AsliAhleSunnet.com

نو سال کی نہ ہوئیں۔ آنحضرت ص کی ہم بستری کے شرف سے مشرف نہ ہوئیں۔ حالانکہ خصم کے دعوی کے موافق آنحضرت ص کی طبع اقدس کو جناب صدیقہ کی مواصلت کا کمال اشتیاق و از حد میلان تھا۔ اب غور کیا جا سکتا ہے۔ کہ باوجود کمال رغبت و اشتیاق اتنے عرصہ دراز تک جو انتظار کی تکلیف گوارا فرمائی۔ بظاہر اسکے سوا اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کہ جناب صدیقہ کا سن بوجہ صغر سنی ایقاع وقاع اور جماع کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ سیر و احادیث کی کتب معتبرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مدارج النبوۃ میں فرمایا ہے۔ آنحضرت نے ماہ شوال میں عائشہ سے جبکہ وہ چھ سال کی تھیں نکاح کیا۔ اور ہجرت کے سال دوم میں جب کہ اٹھارہ ماہ ختم ہو چکے تھے۔ اور وہ نو سال کی تھیں۔ مدینہ میں شرف زفاف سے مشرف فرمایا۔ اور کتب رجال میں عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔ زوجنی رسول اللہ صلعم بست سنین وبنای وانا بنت تسع سنین (رسولخدا صلعم نے چھ سال کی عمر میں مجھ سے نکاح کیا۔ اور جب میں نو سال کی ہوئی۔ تو مجھکو گھر میں داخل کیا۔ بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ مختصراً نقل کی جاتی ہے۔ عن عائشۃ قالت تزوجنی النبی صلعم وانا بنت ست سنین الحدیث بطولہ الی ان قالت فاسلمتنی الیہ وانا یومئذ تسع سنین (عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے مجھ سے نکاح کیا۔ جبکہ میں چھ سال کی تھی ...... اور مجھکو اپنی شرف صحبت سے مشرف فرمایا جبکہ میں نو سال کی تھی) نیز روایت کی ہے۔ عن ھشام عن ابیہ قال توفیت خدیجہؓ قبل مخرج النبی ص الی المدینۃ بثلاث سنین او قریباً من ذلک ونکح عائشۃ وھی بنت ست سنین ثم بنی لھا وھی بنت تسع (ہشام نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلعم کے مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے سے تین یا قریباً تین سال پہلے انتقال کیا۔ اور آنحضرتؐ نے عائشہ سے نکاح کیا۔ جبکہ وہ چھ سال کی تھیں۔ پھر جب وہ نہ سال کی ہوئیں۔ تو زفاف فرمایا) پس مصنف کا قول کہ "اس مقدمہ شرع میں کچھ بھی اصل نہیں ہے" جو علم اصول و حدیث و سیر میں عدم توغل اور قلت غور و تامل کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ہمارے اس بیان مذکورہ بالا سے مندفع اور باطل ہوا۔ ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب موصوف کو زنان بنی امیہ کی جانبداری سنت سنیہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ نو سال سے کم عمر کی عورت سے جماع کرنا جائز نہیں ہے۔ اس اعتراض شنیع

AsliAhleSunnet.com

کا باعث ہوئی ہے۔

قول مصنف تحفہ - نیز یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ نکاح حلال میں مقررہ وقت کے اندر جماع کی تعداد مقررہ کی شرط کرنی جائز ہے۔ مثلاً یوں کہے۔ کہ میں رات دن میں اتنی دفعہ جماع کروں گا۔ اور ایک مہینے میں اس قدر۔ اور شرط کے موافق دونو طرف سے مطالبہ اور مواخذہ کا حق حاصل ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولاتواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولاً معروفاً انتہی کلامہ (اور ان سے پوشیدہ وعدہ مت کرو۔ مگر یہ کہ قول معروف کہو۔)

جواب باصواب - مصنف کی تحریر چند وجہوں سے مدخول ہے۔

وجہ اول - یہ کہ مصنف کے کلام کا مفہوم یہ ہے۔ کہ امامیہ کے نزدیک دفعات کی شرط تمام قسم کے نکاحوں میں جائز ہے۔ یہ بات محض افترا ہے۔ کیونکہ اس امر کی شرط نکاح متعہ سے مخصوص ہے۔ نکاح دائمی میں ہرگز جائز نہیں۔

وجہ دوم - یہ کہ مصنف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ امامیہ کے نزدیک طرفین سے دفعات کی شرط جائز ہے یہ بات بھی بدستور سابق کذب صریح ہے۔ کیونکہ دفعات کی شرط کا جواز نکاح متعہ میں مرد کی طرف سے ہے نہ کہ عورت کی طرف سے۔

وجہ سوم - یہ کہ یہ شرط مقتضائے عقد کی منافی نہیں ہے۔ اور اس شرط کی حرمت پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ اور مصنف نے جو آیہ ولاتواعدوھن سراً سے اس امر پر استدلال کیا ہے نہایت استعجاب اور کمال تعجب کا مقام ہے۔ کیونکہ یہ آیت خاص ہے۔ اور اس میں نساء سے وہ عورتیں مراد ہیں جن کے شوہر مر گئے ہوں۔ اور ابھی ان کا عدہ ختم نہ ہوا ہو۔ اور مواعدہ کی نہی معتدہ وفات سے مخصوص ہے۔ نہ مطلقاً سب قسم کی عدت والی عورتوں سے یہی وجہ ہے۔ کہ معتدہ بہ فراق بائن میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ اکثر علمائے اہلسنت جائز سمجھتے ہیں۔ صاحب بیضاوی آیہ فلا جناح علیکم فیما تراضیتم من خطبۃ النساء (خطبہ نساء کے بارے میں جس بات پر تم رضامند ہو گئے ہو۔ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ والمراد بالنساء المعتدات وتعریض خطبتہا ان یقول لہا انک لجمیلۃ او نافقۃ او من غرضی ان اتزوج ونحو ذلک لکن لا تواعدوھن سرا الا فاذکروھن ولٰکن لا تواعدوھن نکاحہ وجماعا بالسر عن الوطی لانہ یسر ثم عن العقد

لانہ سبب فیہ وقیل معناہ لا تواعدوھن فی السر علی ان المعنی بالمواعدۃ فی السر المواعدۃ بما یستھجن الا ان یقولوا قولا معروفا وھو ان تعرضوا ولا تصرحوا وفیہ دلیل علی حرمۃ تصریح خطبۃ المعتدۃ وجواز تعریضھا ان کانت معتدۃ وفاۃ واختلف فی معتدۃ الفراق البائن والاظھر جوازہ انتھی۔ (اور نساء سے مراد معتدات یعنی عدت والی عورتیں ہیں۔ اور خطبہ کا کنایۃً پیش کرنا اس طرح پر ہے کہ مرد عورت سے کہے۔ کہ تو جمیل ہے۔ یا تو خوش رنگ ہے یا میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ وغیرہ۔ لیکن ان سے پوشیدہ طور پر وعدہ مت کرو یعنی پس ان سے ذکر کرو۔ لیکن ان سے نکاح یا جماع وطی کا پوشیدہ طور پر وعدہ نہ کرو۔ اسلئے کہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے پھر عقد کی بابت اسلئے کہ وہ اس میں سبب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ اسکے معنی یہ ہیں۔ کہ ان سے پوشیدگی میں وعدہ مت کرو۔ کیونکہ پوشیدگی میں وعدہ کرنا گویا ناگوار اور بری چیز کا وعدہ کرنا ہے لیکن ان سے معروف اور مشہوریات کہو۔ اور وہ یہ ہے کہ کنایۃً اور تعریضاً کہو اور تصریحاً نہ کہو اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ عدت والی عورت کو تصریحاً خطبہ کرنا حرام ہے۔ اور تعریضاً اور کنایۃً وعدہ کرنا جائز ہے۔ اگر وہ وفات کے عدۃ میں ہے۔ اور اگر فراق بائن کا عدہ رکھتی ہے۔ تو اس میں اختلاف ہے۔ اظہر قول یہ ہے۔ کہ جائز ہے۔)

قول مصنف تحفہ نیز ان لوگوں نے منکوحہ۔ مملوکہ کنیز عاریت۔ کنیز وقف۔ کنیز امانت اور زن متعہ کے ساتھ وطی فی الدبر کو جائز کیا ہے۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے۔ قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض (اے پیغمبر تو ان لوگوں سے کہدے۔ کہ وہ اذی (نجاست) ہے پس تم عورتوں کو حیض کی حالت میں چھوڑ دو) حیض کی نجاست کی وجہ سے فرج کو حرام کیا ہے پس نجاست بماز کی وجہ سے دبر کیونکر حرام نہ ہو۔ کیونکہ دُبر کے متصل کی امعا یعنی انتڑیوں میں ناپاکی ہر وقت موجود رہتی ہے۔ اور پیغمبر صلعم فرماتے ہیں۔ ملعون من اتی امراۃ فی دبرھا (جو شخص کسی عورت کی دبر میں جماع کرے وہ ملعون ہے) نیز فرماتے ہیں۔ اتقوا محاش النساء ادبارھن وھو خبر صحیح متفق علیہ نص علیہ المقداد (عورتوں کی محشوں یعنی ان کی دبروں سے بچو۔ اور یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے۔ مقداد نے اس پر نص کیا ہے) نیز اس حدیث میں حرام ہونے کی علت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ کہ براز اور ناپاکی کی جگہ ہے جیسے بیت الخلا۔ کیونکہ محشہ زبان عرب میں بیت الخلا کو کہتے ہیں۔ اور آنحضرت علیہ السلام کا قول

AsliAhleSunnet.com

ان الحشوش محتضرة (بیت الخلائیں مقر اور محصور ہیں) اسی معنی میں ہے بعض ناواقفان فن تشریح کو یہ شبہ دل میں گزرتا ہے۔ کہ فرج بھی بول اور نجاست کی جگہ ہے۔ پس اس جگہ کو کیوں حلال کیا ہے۔ یہ شبہ اس عضو کی تشریح کے سمجھنے سے رفع ہو سکتا ہے۔ فن تشریح میں مقرر ہے۔ کہ عورت کی فرج میں ایک دوسرے کے اوپر تین تجویف یعنی نالیاں ہوتی ہیں۔ ایک نالی مثانہ کو جاتی ہے۔ اور وہ نالی پیشاب کا ناودان یعنی پرنالہ ہے۔ اسکے بعد ایک باریک نالی امعا کے متصل ہے۔ جسکے رستے بعض اوقات کچھ ہوا نکلتی ہے۔ اور سب سے نیچے اور پچھلی طرف ایک وسیع اور فراخ نالی ہے۔ کہ جماع کے وقت ذکر اس میں جاتا ہے۔ اور وہ رحم سے ملی ہوئی ہے۔ اور خون حیض اور بچہ اسی راہ سے باہر آتا ہے۔ پس فرج میں جماع کی جگہ ایام حیض کے سوا اور دنوں میں کبھی نجس نہیں ہوتی۔ اور ان ایام میں جماع حرام ہے۔ برخلاف اسکے دبر کا ایک ہی راستہ ہے۔ جو انتڑیوں سے ملا ہوا ہے۔ جو بول اور غلیظ نجاست کی کان ہے۔ انتہی کلامہ۔

جواب باصواب ۔ مصنف نے جو یہاں افادہ فرمایا ہے۔ وہ چند وجوں سے مردود ہے۔

وجہ اول ۔ یہ کہ مصنف نے اس مسئلہ میں امامیہ کے کلام کو بیان کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے۔ اور وطی فی الدبر کا جائز رکھنا مطلقاً تمام امامیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ بات افترا اور خلاف واقع ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں علمائے امامیہ کے درمیان اختلاف واقع ہے۔ بعض علما وطی فی الدبر کو حرام جانتے ہیں۔ اور بعض بکروہ بہ کراہت شدیدہ مغلظہ اور یہ اختلاف اختلاف روایات سے پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ بعض روایات تو نہی پر دلالت کرتی ہیں اور بعض اباحت یعنی مباح ہونے پر۔ اسلئے بعض علما تو نہی کو نہی تحریمی پر محمول کر کے اسکی حرمت کے قائل ہو گئے ہیں۔ اور بعض جمعاً للروایات کراہت کے قائل ہیں۔ شرح لمعہ میں فرمایا ہے۔ الوطی فی دبرها مکروهة کراهیة مغلظة من غیر تحریم علی اشهر القولین والروایتین وظاهر آیة الحرث وفی روایة سدیر یحرم لانه روی عن النبی صلی الله علیه واله وسلم انه قال محاش النساء علی امتی حرام (عورت کی دبر میں وطی کرنا مکروہ ہے۔ بکراہت مغلظہ۔ حرام نہیں۔ دونوں قولوں اور روایتوں میں مشہور تر قول اور روایت اور آیہ حرث کے ظاہر کے موافق۔ اور سدیر کی

تشریح فرج

مسئلہ وطی فی الدبر

AsliAhleSunnet.com

روایت کے موافق حرام ہے۔ کیونکہ اس نے آنحضرت صلعم سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا ہے عورتوں کی مقعدیں میری امت پر حرام ہیں) جامع عباسی میں دخول مکروہ کی اقسام میں فرمایا ہے۔ سترہویں عورتوں کی دبر میں دخول کرنا۔ اور مالک جو سنیوں کا ایک عالم ہے۔ اس کا یہی مذہب ہے۔ اور بعض مجتہدین اس دخول کو حرام جانتے ہیں۔ شرائع الاسلام میں فرماتے ہیں والوطی فی الدبر فیہ روایتان احدھما الجواز وھی المشھورۃ بین الاصحاب لکن علی کراھیۃ شدیدۃ (اور وطی فی الدبر کے باب میں دو روایتیں ہیں ایک جواز یعنی جائز ہونا۔ اور یہ روایت ہمارے اصحاب میں مشہور ہے لیکن کراہیت شدیدہ کے ساتھ۔ الغرض وطی فی الدبر کا جواز بلا کراہیت علمائے امامیہ میں سے کسی عالم کا مذہب نہیں ہے۔ پس اس قول کو امامیہ کی طرف منسوب کرنا افترائے محض ہے۔

وجہ دوم۔ بالفرض اگر اس تحریر کو درست مان لیں۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ آیہ کریمہ نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم وقدموا لانفسکم کا ظاہر اس قول کی تائید کرتا ہے اور اس توجیہ کی بنا پر جو امام رازی نے تفسیر کبیر میں کی ہے۔ اس آیت سے تمسک کرنیکی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حرث عورت کا نام مقرر فرمایا ہے۔ نہ کہ موضع معین کو اس نام سے موسوم کیا ہے۔ اور بعد ازاں فرمایا ہے۔ فاتوا حرثکم انی شئتم پس اس سے یہ مراد ہوگی۔ کہ تم اپنی عورتوں سے جماع کرو جس جگہ میں کہ چاہو۔ پس یہ قول تمام وجہوں سے عورت کے جماع کے متعلق مباح ہونے کی دلیل ہے۔ اور اس میں محل نزاع داخل ہے اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ کلمہ انی مکان کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ جیسے لفظ این مکان کے لئے موضوع ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ انی لک ھذا قالت ھو من عند اللہ۔ اس کلام کی تقریر اس طرح پر ہے۔ تیرے واسطے یہ رزق کہاں سے ہے۔ جواب دیا کہ یہ رزق جو تو دیکھتا ہے خدا کی طرف سے ہے۔ پس آیہ کریمہ حرث کی تقدیر یوں ہوگی۔ پس تم اپنی عورتوں کے پاس آؤ جس جگہ سے کہ چاہو۔ اور کلمہ انی شئتم تعدد امکنہ (مکانات کے متعدد ہونے) پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً جب تم کہو۔ کہ بیٹھو جہاں کہ تم چاہو۔ تو اس قول سے امکنہ کے درمیان تخییر معلوم ہوتی ہے۔ نہ کہ اوضاع جلوس میں تخییر۔ جب یہ مقدمہ ثابت ہوگیا۔ تو واضح ہوگیا کہ اس آیہ کو آگے سے آگے میں اور پیچھے سے پیچھے میں عورت کی وطی پر محمول کرنا ظاہر آیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس بنا پر مکان ایک ہے۔ حالانکہ طریق اتیان یعنی عورتوں کے پاس آنے کے طریق میں تعدد واقع ہوا ہے۔ اور اگر یہ

معنی مراد ہوتے۔ تو یوں فرمانا چاہیئے تھا۔ اذھبوا الیہ کیف شئتم یعنی ان کے پاس جاؤ جس کیفیت اور جس طرح سے کہ تم چاہو جب کہ لفظ کیف اس آیت میں مذکور نہیں ہے بلکہ لفظ انّیٰ مذکور ہے۔ جس سے امکنہ میں تخییر کے معنی مراد لئے جاتے ہیں پس ثابت ہوا کہ آیت سے وہی مراد ہے۔ جو اس قول کے جائز کرنے والوں نے لئے ہیں۔ نہ وہ معنی جو تاویل کرنیوالوں نے لئے ہیں۔ اور آیۂ الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم۔ کا عموم بھی اس قول کا موید ہے۔ اسکے عموم کے موافق عمل کرنا ذکور کے حق میں اجماع کی دلالت سے متروک ہوگیا۔ پس ضروری ہوا کہ عورتوں کے حق میں معمول بہ ہو۔ اور روایات اور احادیث جو اس کی شان نزول میں اہل سنت کی کتب معتبرہ مثلاً صحاح ستہ اور دیگر کتب معتبرہ میں مروی ہیں۔ وہ بھی جواز وطی فی الدبر والے قول کی تائید میں ہیں۔ ان روایات کا مطلب یہ ہے۔ کہ انصار میں سے ایک شخص اپنی منکوحہ سے وطی فی الدبر کا مرتکب ہوا تھا۔ اور اس حرکت کے سرزد ہونے سے بہت اندوہ وغم میں مبتلا تھا۔ اور لوگ اس پر انکار کرتے تھے۔ کہ یہ آیت نازل ہوئی پس ظاہر ہے کہ اس آیت کا نزول مباح ہونے کی دلیل ہے۔ اور یہ احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ یہاں بالتفصیل نقل کرنا مناسب نہیں۔ امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ ونقل نافع عن ابن عمر انہ کان یقول المراد من الآیۃ تجویز اتیان النساء فی ادبارھن وسائر الناس کذبوا نافعا۔ یعنی نافع نے ابن عمر سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ کہتا تھا کہ اس آیت سے عورت کی دبر میں وطی کا جائز ہونا مراد ہے۔ اور سب لوگ اس روایت میں نافع کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور یہی مالک کا قول ہے۔ صاحبان خبرت وفطنت پر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ نافع جو صحاح ستہ کے جلیل الشان راویوں میں سے ہے۔ اور صحیح بخاری۔ صحیح مسلم اور دیگر کتب معتبرۂ اہلسنت اس کی روایات سے بھری پڑی ہیں۔ اس کی تکذیب کرنا بعید از صواب اور نامناسب ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ ان کتابوں کی تضعیف کی جائے۔ اور ان پر وثوق واعتبار نہ کیا جائے نیز طبرانی نے اپنی کتاب معجم میں ابن عمر سے روایت کی ہے۔ انّ رجلاً اصاب امرأتہ فی دبرھا فانکر ذلک الناس فانزل اللہ نساءکم حرث لکم الآیۃ (ایک شخص نے اپنی بیوی سے وطی فی الدبر کیا۔ لوگوں نے اس کو برا سمجھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آیۂ نساءکم حرث لکم۔۔۔ نازل فرمایا) جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ واخرج اسحاق بن راھویہ فی مسندہ وتفسیرہ والبخاری وابن جریر عن

انّیٰ اور کیف میں فرق

روایات مذکورہ کا خلاصۂ مطلب

روایات مرویہ کی مزید تحقیق

AsliAhleSunnet.com

قال قرأت ذات یوم نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انّٰی شئتم قال ابن عمر اتدری فیما نزلت ھذہ الآیۃ قال قلت لا قال نزلت فی اتیان النساء فی ادبارھن یعنی اسحاق بن راھویہ نے اپنی مسند اور تفسیر میں اور بخاری اور ابن جریر نے نافع سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ میں نے ایک روز آیہ نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم پڑھا۔ ابن عمر نے مجھ سے کہا۔ کیا تو جانتا ہے۔ کہ یہ آیہ کس معاملہ میں نازل ہوا ہے میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ ابن عمر نے کہا یہ آیت عورتوں کی وطی فی الدبر کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ واخرج البخاری وابن جریر عن ابن عمر قال فاتوا حرثکم انی شئتم قال فی الدبر۔ اور بخاری اور ابن جریر نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ تم عورتوں سے جماع کرو۔ جس جگہ میں کہ چاہو۔ یعنی دبر میں۔ واخرج الخطیب فی روایۃ مالک عن طریق النضر بن عبد اللہ الازدی عن مالک عن نافع عن ابن عمر فی قولہ تعالیٰ نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم قال ان شاء فی دبرھا وان شاء فی قبلھا یعنی اگر چاہو۔ ان کی دبر میں۔ اور اگر چاہو۔ ان کی قبل میں۔ واخرج الحسن بن سفیان فی مسندہ والطبرانی فی الاوسط والحاکم وابو نعیم بسند حسن عن ابن عمر انما نزلت علی رسول اللہ ص نساء کم حرث لکم رخصۃ فی اتیان الدبر یعنی حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے اوسط میں اور حاکم اور ابو نعیم نے سند حسن سے ابن عمر سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اسکے سوا نہیں ہے۔ کہ آیہ نساء کم الخ رسول خدا صلعم پر وطی فی الدبر میں رخصت کے طریق پر نازل ہوا ہے۔ واخرج ابن جریر والطبرانی فی الاوسط وابن مردویہ وابن النجار عن ابن عمر ان رجلا اصاب امرأتہ فی دبرھا فی زمن رسول اللہ فانکر ذلک الناس فانزل اللہ نساء کم حرث لکم الآیۃ یعنی ابن جریر نے اور طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ اور ابن النجار نے ابن عمر سے روایت کی ہے۔ کہ ایک شخص نے آنحضرت ص کے زمانہ میں اپنی بیوی سے وطی فی الدبر کی پس لوگوں نے اس کا انکار کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ واخرج الخطیب فی روایۃ مالک من طریق احمد بن الحکم العبدی عن مالک عن نافع عن ابن عمر قال جاءت امرأۃ من الانصار الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تشکو ازوجھا فانزل اللہ نساء کم حرث لکم یعنی ابن عمر نے کہا کہ انصار میں سے ایک عورت آنحضرت علیہ وآلہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کی شکایت کرتی

AsliAhleSunnet.com

ہتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نساءکم ... نازل فرمائی واخرج النسائی وابن جریر من طریق زید بن اسلم عن ابن عمر ان رجلاً اتی امرأتہ فی دبرھا فوجد فی نفسہ من ذالک وجداً شدیداً فانزل اللہ نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم (ایک شخص نے اپنی زوجہ سے وطی فی الدبر کی۔ پس اس کو نہایت رنج و تلق ہوا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔) اخرج الدارقطنی عن غرائب مالک من طریق الدنی حدثنا ابوالحارث احمد بن سعید حدثنا ابوثابت محمد بن عبید اللہ المدنی حدثنی عبدالعزیز بن محمد الدراوردی عن عمر بن حفص وابن ابی ذویب و مالک بن الحسن کلھم عن نافع قال قال ابن عمر وامسک علی المصحف فقرأ حتی اتی نساءکم حرث لکم قال تدری یانافع فیم نزلت ھذہ الاٰیۃ قلت لا قال نزلت فی رجل من الانصار اصاب امرأتہ فی دبرھا فاعظم الناس ذالک فانزل اللہ نساءکم حرث لکم الاٰیۃ قلت لہ من دبرھا فی قبلھا قال لا الا فی دبرھا (نافع کہتا ہے۔ کہ ابن عمر نے قرآن لیکر پڑھا۔ یہاں تک کہ آیہ نساءکم حرث لکم پر پہنچا پوچھا اے نافع کیا تو جانتا ہے۔ کہ یہ آیت کس باب میں نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا نہیں بولا۔ یہ ایک مرد انصاری کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کہ اس نے اپنی عورت کی دبر میں جماع کیا۔ لوگوں نے اس کو بہت برا سمجھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ میں نے کہا کہ عورت کی پشت سے اس کی قبل میں۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس کی دبر میں) وقال حامد الوفاء فی فوائدہ عن تخریج الدارقطنی حدثنا احمد بن عبدوس حدثنا علی بن الجعد حدثنا ابوذئب عن نافع عن ابن عمر قال وقع رجل علی امرأتہ فی دبرھا فانزل اللہ نساءکم حرث لکم الاٰیۃ فقلت لابی ذئب ما تقول فی ھذا قال ما اقول بعد ھذا۔ (ابوذئب نے نافع سے ابن عمر سے روایت کی ہے۔ کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ سے وطی فی الدبر کا ارتکاب کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نساءکم نازل فرمائی۔ میں نے ابوذئب سے کہا کہ تو اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس کے بعد کیا کہوں۔) واخرج الطبرانی وابن مردویہ واحمد بن امامۃ الیحیی فی فوائدہ عن نافع قال قرأ ابن عمر ھذہ السورۃ فمر بھذہ الاٰیۃ نساءکم حرث لکم فقال اتدری فیم نزلت ھذہ الاٰیۃ قلت لا قال فی

AsliAhleSunnet.com

رجال یاتون النساء فی ادبارھن (ابن عمر نے یہ سورہ پڑھا۔ یہاں تک کہ آیہ نساؤکم پر
پہنچکر کہا کیا تجھے معلوم ہے۔ کہ یہ آیت کس باب میں نازل ہوئی میرے انکار کرنے پر کہا کہ ان مردوں کے
بارے میں ہے۔ جو اپنی عورتوں کی دبر میں وطی کرتے ہیں) واخرج الدارقطنی و دعلج کلاھما
فی غرائب مالک من طریق ابی مصعب و اسحاق بن محمد الفروی کلاھما عن
نافع عن ابن عمر انہ امسک علی المصحف فقرأ حتی بلغ نساءکم حرث لکم فقال
یا نافع اتدری فیم نزلت ھذہ الآیۃ قلت لا قال فی رجل من الانصار اتی امرأتہ
فی دبرھا فوجد فی نفسہ من ذلک فسال النبی ع فانزل اللہ نساءکم حرث لکم
(ترجمہ اوپر گزرا)، قال الدارقطنی ھذا ثابت عن مالک قال بن عبد البر الروایۃ
عن ابن عمر بھذا المعنی صحیحۃ معروفۃ مشھورۃ (دارقطنی کہتا ہے۔ کہ یہ مالک
سے ثابت ہے۔ ابن عبد البر نے کہا ہے۔ کہ یہ روایت ابن عمر سے اس مضمون میں صحیح اور معروف
و مشہور ہے) واخرج النسائی والطحاوی وابن جریر من طریق عبد الرحمن بن
قاسم عن مالک بن انس قیل لہ یا ابا عبد اللہ ان الناس یروون عن سالم
بن عبد اللہ انہ قال کذب العبد او العلج علی ابی فقال مالک اشھد
علی یزید بن رومان انہ اخبرنی عن سالم بن عبد اللہ مثل ما قال نافع
عن ابن عمر فقیل لہ فان الحارث بن یعقوب یروی عن ابی الحباب سعید
بن یسار انہ سال ابن عمر فقال یا ابا عبد الرحمن انا نشتری الجواری
فنحمض قال وما التحمیض فذکر لہ الدبر فقال ابن عمر اُف اُف لا یفعل ذلک
مومن او قال مسلم فقال اشھد علی ربیعۃ لاخبرنی عن ابی الحباب
عن ابن عمر مثل ما قال نافع قال الدارقطنی ھذا محفوظ عن مالک صحیح
(مالک بن انس سے کہا گیا کہ لوگ سالم بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ وہ کہتا ہے کہ عبد
یا وعلج نے میرے باپ پر جھوٹ بولا ہے۔ مالک نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ یزید بن رومان
نے سالم بن عبد اللہ سے ویسی ہی خبر دی ہے۔ جیسی نافع نے ابن عمر سے پھر اس سے کہا گیا
کہ حارث بن یعقوب نے ابی الحباب سعید بن یسار سے یہ روایت کی ہے۔ کہ اس نے ابن عمر سے
پوچھا۔ کہ اے ابو عبد الرحمن ہم کنیزیں خریدتے ہیں۔ پس ہم تحمیض کرتے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ
تحمیض کیا چیز ہے پس اس سے دبر کا ذکر کیا گیا ابن عمر نے کہا اُف اُف مومن ایسا فعل نہیں کرتا یا مسلم ایسا نہیں کرتا۔

AsliAhleSunnet.com

(یہاں مومن اور مسلم میں راوی کو شبہ ہوا ہے) پس مالک نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ ربیعہ نے مجھکو ابوالحباب سے اور اس نے ابن عمر سے ویسی ہی خبر دی ہے جیسی نافع نے۔ دارقطنی نے کہا ہے۔ یہ روایت مالک سے محفوظ اور صحیح ہے۔ واخرج النسائی من طریق یزید بن رومان عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر لا یری باسًا ان یاتی الرجل المرأۃ فی دبرھا (نسائی نے روایت کی ہے کہ ابن عمر کے نزدیک کچھ ڈر نہیں۔ اگر مرد اپنی بیوی سے وطی فی الدبر کرے) واخرج ابن راھویہ وابو یعلی وابن جریر والطحاوی فی مشکل الآثار وابن مردویہ بسند حسن عن ابی سعید الخدری ان رجلاً اصاب امرأتہ فی دبرھا فانکر الناس علی ذلک فانزلت نساء کم حرث لکم الآیہ (ابو سعید خدری سے مروی ہے۔ کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ سے وطی فی الدبر کیا۔ لوگوں نے اس پر انکار کیا۔ پس آیہ نساءکم ... الخ نازل ہوا) اخرج البیہقی فی مسندہ عن محمد بن علی قال کنت عند محمد بن کعب القرظی فجاء رجل فقال ما تقول فی اتیان المرأۃ فی دبرھا فقال ھذا الشیخ من قریش فسئلہ یعنی عبد اللہ بن علی بن السائب فقال قذر ولو کان حلالاً (محمد بن کعب قرظی کے پاس آکر ایک شخص نے پوچھا کہ زوجہ کی وطی فی الدبر کی بابت کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا اس بڈھے قریش عبد اللہ بن علی بن سائب سے پوچھ۔ اس نے جواب دیا کہ گندگی اور نجاست ہے۔ اگرچہ حلال ہے) واخرج ابن جریر عن الدراوردی قال لزید بن اسلم ان محمد بن المنکدر ینھی عن اتیان النساء فی ادبارھن فقال زید اشھد علی محمد لاخبرنی انہ یفعلہ (دراوردی نے زید بن اسلم سے کہا کہ محمد بن منکدر عورتوں کی دبر میں وطی سے منع کرتا ہے۔ زید نے کہا میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ محمد نے مجھکو خبر دی۔ کہ وہ خود اس کام کو کرتا ہے) واخرج ابن جریر عن ابی ملیکہ انہ سئل عن اتیان النساء فی دبرھا فقال قد اردت من جاریۃ البارحۃ فاعتاص علی فاستعنت بدھن۔ ابن جریر نے ابی ملیکہ سے روایت کی ہے۔ کہ اس سے وطی فی الدبر کے بارے میں سوال کیا گیا۔ اس نے جواب دیا .... کہ میں نے شب گذشتہ ایک کنیز سے اس فعل کا ارادہ کیا۔ پس مجھے دشوار ہوا۔ تب میں نے روغن سے مدد لی۔ واخرج الخطیب فی روایۃ مالک عن ابی سلیمان الجرجانی قال سألت مالک بن

AsliAhleSunnet.com

انس عن وطی الحلائل فی الدبر فقال فی الساعۃ غسلت راسی منہ یعنی میں
مالک بن انس سے حلائل کی وطی دبر کی بابت سوال کیا۔ فرمایا میں نے ابھی اس وقت غسل
کیا ہے۔ اور اس فعل کی وجہ سے اپنا سر دھویا ہے۔ واخرج ابن جریر فی کتاب النکاح
من طریق ابن وھب عن مالک انہ مباح (ابن جریر نے کتاب النکاح میں مالک
سے روایت کی ہے۔ کہ وہ مباح ہے)۔ واخرج الطحاوی من طریق اصبغ بن الفرج
عن عبد الرحمٰن بن القاسم قال ما ادرکت احداً اقتدی بہ فی دینی یشک
فی انہ حلال یعنی وطی المراءۃ فی دبرھا ثم قرأ نساءکم حرث لکم الآیہ
ثم قال ای شیٔ ابین من ھذا (طحاوی نے عبد الرحمٰن بن قاسم سے روایت کی ہے۔
وہ کہتا ہے۔ کہ میں دین میں جن کی پیروی کرتا ہوں۔ ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس کو عورت
کی وطی فی الدبر کے حلال ہونے میں شک ہو۔ پھر آیہ نساءکم... پڑھا۔ اور کہا اس سے زیادہ
روشن اور ظاہر اور کونسی چیز ہوگی۔) واخرج الطحاوی والحاکم فی مناقب الشافعی
والخطیب عن محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکیم ان الشافعی سئل عنہ فقال ما
صح عن النبی صلعم فی تحلیلہ ولا تحریمہ شیٔ والقیاس انہ حلال (طحاوی
نے اور حاکم نے مناقب شافعی میں۔ اور خطیب نے محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکیم سے روایت
کی ہے۔ کہ شافعی سے یہ مسئلہ پوچھا گیا۔ جواب دیا کہ آنحضرت صلعم سے نہ تو اس کی تحلیل میں کچھ صحیح
طور پر ثابت ہوا ہے۔ اور نہ تحریم میں۔ اور قیاس یہ ہے۔ کہ وہ حلال ہے۔) واخرج الحاکم
عن ابن عبد الحکیم ان الشافعی ناظر محمد بن الحسن فی ذلک فاحتج علیہ ابن
الحسن ان الحرث انما یکون فی الفرج فقال لہ فیکون ماسوی الفرج محرماً
فالتزم فقال ارایت لو وطیھا بین ساقیھا او فی اعکانہا افی ذلک حرث قال
لا قال فیحرم قال لا قال فکیف تحتج بما لا تقول قال الحاکم لعل الشافعی کان
یقول فی القدیم واما فی الجدید فصرح بالتحریم انتہی (حاکم نے ابن عبد الحکیم سے
روایت کی ہے۔ کہ شافعی نے محمد بن حسن سے اس باب میں مناظرہ کیا۔ پس ابن حسن نے یہ حجت پیش
کی۔ کہ حرث (کھیتی) صرف فرج ہی میں ہوتی ہے۔ شافعی نے کہا۔ تو فرج کے سوا سب حرام ہوگا۔
اس پر ابن حسن لاجواب ہو گیا۔ تب شافعی نے کہا۔ کہ اگر تو عورت کی دونوں پنڈلیوں یا اسکے پیٹ
کی شکنوں میں وطی کرے۔ کیا ان میں بھی حرث ہے۔ ابن حسن نے جواب دیا کہ نہیں شافعی نے

AsliAhleSunnet.com

کہا۔ تو یہ حرام ہے۔ ابن حسن بولا۔ نہیں۔ شافعی نے کہا۔ کہ پھر جس چیز کا تو قائل نہیں ہے۔ اسکو احتجاج میں کیونکر پیش کرتا ہے۔ حاکم کہتا ہے۔ کہ شافعی شاید قدیم میں اس مسئلہ کا قائل ہو لیکن جدید میں تو اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔ بخاری نے باب نساؤکم حرث لکم میں روایت کی ہے۔ حدثنا اسحٰق قال اخبرنا النضر بن شمیل واخبرنا ابن عون عن نافع قال کان ابن عمر اذا قرأ القراٰن لم یتکلم حتی یفرغ منہ فاخذت علیہ یوما فقرأ سورۃ البقرۃ حتی انتھی الی مکان قال الاتدری فیما نزلت قلت لا قال نزلت فی کذا وکذا ثم مضی وعن عبد الصمد قال حدثنی ابی قال حدثنی ایوب عن نافع عن ابن عمر فاتوا حرثکم انی شئتم قال یاتیھا فی (نافع کہتا ہے کہ ابن عمر قرآن پڑھتے ہوئے بات نہ کرتا تھا جب تک تلاوت ختم نہ کر لے۔ پس ایک روز میں اسکے پاس گیا۔ پس سورہ بقر پڑھا۔ یہاں تک کہ ایک (مکان) جگہ پر پہنچا۔ بولا۔ کیا تجھے معلوم نہیں۔ کہ یہ آیت کس چیز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا نہ۔ بولا فلاں فلاں چیز کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ اور عبد الصمد نے نافع سے روایت کی ہے۔ کہ اس نے ابن عمر سے آیۂ فاتوا حرثکم انی شئتم کا شان نزول پوچھا۔ کہا جماع کرے اس کی ... میں) صاحبان خبرت و فطنت پر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ اگرچہ بخاری نے اس مقام میں ابہام اور کتمان حرام کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ پہلی روایت میں مکان کا مضاف الیہ حذف کیا ہے۔ اور جواب کو بطور کنایہ نزلت فی کذا وکذا ذکر کیا ہے۔ اور دوسری روایت میں یاتیھا فی پر اختصار کیا ہے۔ اور ما بعد ظرف کو ذکر نہیں کیا۔ لیکن اس قصہ اور روایت کی سیاق کے ناظرین پر مقصود پوشیدہ نہیں ہے۔ اور خوب طرح سے واضح ہو رہا ہے۔ کہ اسکے قول یاتیھا فی میں ظرف کے بعد لفظ الدبر ہے۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔ قولہ یاتیھا فی ھکذا وقع فی جمیع النسخ لم یذکر ما بعد الظرف وھو المجرور ووقع فی الجمع بین الصحیحین للحمیدی یاتیھا فی الفرج وھو من عندہ بحسب ما فھمہ ثم وقفت علی سلفہ فیہ وھو البرقانی فرأیت فی نسخۃ الصنعانی زاد البرقانی یعنی الفرج ولیس مطابقا لما فی نفس الروایۃ عن ابن عمر کما ساذکرہ وقد قال ابوبکر بن العربی فی شرح اداب المریدین اورد البخاری ھذا الحدیث فی التفسیر فقال یاتیھا فی وترک بیاضا والمسئلۃ المشھور صنف فیھا محمد بن سحنون جزءً وصنف فیھا محمد بن شعبان

AsliAhleSunnet.com

کنا بگا وبین ان حدیث ابن عمر فی اتیان المرءة فی دبرها رواه محمد بن یحیی
بن سعید ای القطان عن ابیه عن عبید الله عن نافع عن ابن عمر هکذا
اعاد الضمیر علی الذی قبله والذی قبله قد اختصره کما تری فاما الروایة
الاولی وهی روایة ابن عون فقد اخرجها اسحق بن راهویه فی مسنده
وفی تفسیره بالاسناد المذکور وقال یدل قوله حتی انتهی الی المکان
حتی انتهی الی قوله نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم فقال
اتدرون فیم نزلت هذه الآیة قلنا لا قال نزلت فی اتیان النساء فی
ادبارهن وهکذا اورده ابن جریر من طریق اسمعیل بن علیه عن ابن
عون مثله من طریق اسمعیل بن ابراهیم الکرابیسی عن ابن عون
نحوه واخرجه ابو عبید فی فضائل القرآن عن معاذ عن ابن عون
فالهمه فقال فی کذا وکذا واما روایة عبد الصمد بن الوارث حدثنی ابی
فذکره بلفظ یاتیها فی الدبر وهو یوید قول ابن العربی ویرد قول الحمیدی
والذی استعمله البخاری نوع من انواع البدیع یسمی الاکتفاء ولابد له
من نکتة یحسن بسببها استعماله اما روایة محمد بن یحیی بن سعید القطان
عن ابیه عن عبید الله عن نافع عن ابن عمر هکذا اعاد الضمیر علی الذی
قبله والذی قبله قد اختصره کما تری فاما الروایة الاولی وهی روایة
ابن عون فقد اخرجها اسحق راهویه فی مسنده وفی تفسیره بالاسناد
المذکور وقال یدل قوله حتی انتهی الی المکان حتی انتهی الی قوله نساءکم
حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم فقال اتدرون فیم انزلت هذه الآیة
قلنا لا قال نزلت فی اتیان النساء فی ادبارهن وهکذا اورده بن جریر
عن طریق اسمعیل بن علیه عن ابن عون مثله وعن طریق اسمعیل
بن ابراهیم الکرابیسی عن ابن عون نحوه واخرجه ابو عبید فی فضائل
القرآن عن معاذ عن ابن عون فالهمه فقال فی کذا وکذا واما فی روایة
عبد الصمد بن عبد الوارث حدثنی ابی فذکره بلفظ یاتیها فی الدبر
وهو یوید قول ابن العربی ویرد قول الحمیدی والذی استعمله البخاری

AsliAhleSunnet.com

نوع من انواع البدیع یسمّی الاکتفاء ولا بد له من نکتة یحسن بسببها استعماله
واما روایة محمد بن یحیی بن سعید القطان عنه فوصلها الطبرانی فی
الاوسط فی طریق ابی بکر الاعین عن محمد بن یحیی المذکور بالسند المذکور
الی ابن عمر قال انما نزلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم نساءکم حرث لکم فی
اتیان الدبر قال الطبری لم یروه عن عبید الله بن عمر الا یحیی بن سعید
تفرد به ابنه محمد کذا قال ولم یتفرد به یحیی بن سعید فقد رواه عبد
العزیز الدراوردی عن عبید الله بن عمر ایضاً کما ساذکره بعد وقد
روی هذا الحدیث عن نافع ایضاً جماعة غیر من ذکرنا روایاتهم بذلک
عند ابن مردویه فی تفسیره وفی فوائد الاصبهانیین لابی الشیخ وتاریخ
النیشاپوری للحاکم وغرائب مالک للدارقطنی وقد عاب الاسماعیلی صنع
البخاری فقال جمیع ما اخرج عن ابن عمر مبهم لا فائدة فیه وقد رویناه عن
عبد العزیز یعنی الدراوردی عن مالک وعبید الله ابن عمر وابن ابی
ذئب ثلاثتهم عن نافع بالتفسیر وعن مالک من عدة اوجه انتهی کلامه
وروایة الدراوردی المذکورة وقد اخرجها الدارقطنی فی غرائب مالک من
طریقه عن الثلاثة عن نافع نحوه وروایة عون عنه ونزلت فی رجل من
الانصار اصاب امراته فی دبرها فاعظم الناس ذلک فنزلت قال فقلت
له من دبرها فی قبلها قال لا الا فی دبرها وتابع نافعاً علی ذلک زید بن
اسلم عن ابن عمر وروایته عند النسائی صحیح وتکلم الازدی فی بعض روایة ورد
علیه ابن عبد البر فاصاب قال وروایة ابن عمر لهذا المعنی صحیحة
مشهورة من روایة نافع عنه فغیره یرویها عنه زید بن اسلم قلت
قد رواه عن ابن عمر ایضاً ابنه عبد الله اخرجه النسائی ایضاً وسعید بن
یسار وسالم بن عبد الله بن عمر وروایتهما عنه عند النسائی وابن جریر
ولفظه عن عبد الرحمن بن القاسم قلت لمالک ما عن سالم کذب العبد
علی ابی فقال مالک اشهد علی زید بن رومان انه اخبرنی عن سالم
بن عبد الله ابن عمر ابیه مثل ما قال نافع وله ان الحارث بن یعقوب

AsliAhleSunnet.com

روی عن سعید بن یسار عن ابن عمر انہ قال اُف او یفعل ذلک مسلم فقال مالک اشہد علی ربیعہ لاخبرنی عن سعید بن یسار عن ابن عمر مثل ما قال نافع واخرجہ الدار قطنی من طریق عبید الرحمن بن القاسم عن مالک وقال ھذا محفوظ عن مالک صحیح انتھی۔ (اس کا قول یاتیھا فی۔ تمام نسخوں میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔ کہ ظرف کے بعد کو کہ جو مجرور ہے ذکر نہیں کیا۔ اور حمیدی کی جمع بین الصحیحین میں یاتیھا فی الفرج واقع ہے۔ اور وہ خود اس کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ اسکی سمجھ میں آیا۔ درج کر دیا۔ پھر مجھکو اس سے پہلے شخص یعنی برقانی کا قول اس باب میں معلوم ہوا پس میں نے نسخہ صنعانی میں دیکھا۔ کہ لفظ فرج کو برقانی نے زیادہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ اس روایت کے نفس مضمون کے مطابق نہیں ہے جو ابن عمر سے مروی ہے۔ جیسا کہ میں عنقریب ذکر کرتا ہوں۔ اور ابو بکر بن عربی نے شرح آداب المریدین میں کہا ہے۔ بخاری نے اس حدیث کو تفسیر میں وارد کیا ہے۔ اور کہا ہے یاتیھا فی۔ اور آگے بیاض یعنی سفید جگہ چھوڑ دی ہے۔ اور یہ مسئلہ مشہور ہے۔ محمد بن سحنون نے اس مسئلہ میں ایک جزء تصنیف کیا ہے۔ اور محمد بن شعبان نے اس میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اور بیان کیا ہے۔ کہ ابن عمر کی حدیث عورت کی وطی فی الدبر کے باب میں ہے۔ اس کو محمد بن یحیٰی بن سعید قطان نے اپنے باپ سے اس نے عبید اللہ سے اس نے نافع سے اس نے ابن عمر سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس نے اپنے سے پہلے شخص پر ضمیر کو اعادہ کیا ہے۔ اور اس سے پہلے شخص نے اس کو مختصر کیا ہے۔ جیسا کہ تو دیکھتا ہے۔ لیکن پہلی روایت جو ابن عون کی روایت ہے۔ اس کو اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور اپنی تفسیر میں اسناد مذکورہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ بخاری کا قول حتی انتھی الی المکان اس پر دلالت کرتا ہے۔ کہ جب وہ پڑھتا ہوا آیۂ نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم پر پہنچا۔ تو پوچھا کیا تم جانتے ہو۔ کہ یہ آیت کس چیز میں نازل ہوئی ہے۔ ہم نے کہا کہ نہیں ابن عمر نے کہا۔ کہ یہ عورتوں کی دبروں میں وطی کرنے کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ اور اسی طرح ابن جریر نے اسمٰعیل بن علیہ کے طریق سے اس حدیث کو ابن عون سے ایسا ہی روایت کیا ہے نیز اسمٰعیل بن ابراہیم کرابیسی کے طریق سے ابن عون سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور ابو عبید نے فضائل القرآن میں معاذ سے اور اس نے ابن عون سے روایت کی ہے۔ پس اس نے اس کو مبہم کر دیا ہے۔ اور کہا ہے فی کذا وکذا۔ لیکن عبد الصمد بن وارث کی روایت کہ مجھے

AsliAhleSunnet.com

باپ نے مجھ سے بیان کیا۔ پس اس نے یا ایتھا فی الدبر کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔ اور وہ ابن عربی کے قول کی تائید کرتی ہے۔ اور حمیدی کے قول کی تردید کرتی ہے۔ اور جس چیز کو بخاری نے استعمال کیا ہے۔ وہ بدیع کی ایک قسم ہے جس کو اکتفا کہتے ہیں۔ اور اس میں ایک نکتہ کا ہونا ضروری ہے۔ جس کے سبب سے اس کا استعمال بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن محمد بن یحییٰ بن سعید قطان کی روایت جو اس نے ابن عمر سے کی ہے۔ اس کو طبرانی نے اوسط میں طریق ابی بکر الاعین میں وصل کیا ہے۔ اور محمد بن یحییٰ مذکور سے سند مذکور کے ساتھ ابن عمر تک پہونچایا ہے۔ کہ ابن عمر نے کہا کہ اس کے سوا نہیں ہے۔ کہ آیہ نساءکم حرث لکم۔ رسولخدا صلعم پر وطی دبر کے باب میں نازل ہوا ہے۔ طبری نے کہا ہے۔ اس روایت کو عبداللہ بن عمر سے یحییٰ بن سعید کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کیا۔ اور اس میں اس کا بیٹا محمد متفرد ہے۔ کہ اس نے ایسا کہا ہے۔ اور یحییٰ بن سعید اس روایت میں متفرد نہیں ہے۔ پس اس کو عبدالعزیز نے عبیداللہ بن عمر سے بھی روایت کیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب بعد میں ذکر کروں گا اور اس حدیث کو نافع سے ان لوگوں کے سوا جن کی روایات کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور راویوں نے بھی روایت کیا ہے۔ جو ابن مردویہ کی تفسیر میں۔ اور ابوالشیخ کی کتاب فوائد الاصبہانیین میں۔ اور حاکم کی تاریخ نیشاپوری میں اور دارقطنی کی غرائب مالک میں مذکور ہیں۔ اور اسماعیلی نے بخاری کی صنعت کو معیوب ٹھیرایا ہے۔ اور کہا ہے کہ بخاری نے جو کچھ ابن عمر سے روایت کیا ہے وہ مبہم ہے۔ اس میں کچھ بھی فائدہ نہیں ہے۔ اور ہم نے اس حدیث کو عبدالعزیز دراوردی سے۔ مالک عبیداللہ عمر اور ابن ابی ذیب سے روایت کیا ہے۔ اور ان تینوں نے نافع سے بالتفسیر اور مالک سے کئی طرح سے۔ انتہی کلامہ۔ اور دراوردی کی روایت مذکور دارقطنی نے غرائب مالک میں اپنے طریق سے تینوں راویوں سے نافع سے ویسا ہی روایت کیا ہے۔ اور عون کی روایت کو جو ابن عمر سے روایت کی گئی ہے اپنی کتاب غرائب میں درج کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ یہ آیت ایک انصاری مرد کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے اپنی زوجہ سے وطی دبر کی تھی۔ پس لوگوں نے اسکو بہت عظیم جانا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ راوی کہتا ہے۔ کہ میں نے ابن عمر سے کہا۔ کہ عورت کی دبر سے اسکی قبل میں۔ ابن عمر نے کہا کہ نہیں۔ لیکن اس کی دبر میں۔ اور زید بن اسلم نے ابن عمر سے

AsliAhleSunnet.com

اس حدیث کو روایت کرنے میں نافع کی متابعت کی ہے۔ اور اس کی روایت نسائی کے نزدیک صحیح ہے۔ اور ازدی نے بعض روایت میں اعتراض کیا ہے۔ اور ابن عبدالبر نے اسکی تردید کی ہے۔ اور وہ درست ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ابن عمر کی روایت اس مضمون میں بروایت نافع مشہور اور صحیح ہے اسکے سوا زید بن اسلم نے اس سے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس نے اس روایت کو ابن عمر اپنے باپ عبداللہ سے بھی روایت کیا ہے اسکو نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور سعید بن یسار اور سالم بن عبداللہ بن عمر نے روایت کیا ہے۔ اور ان دونوں کی روایت اس سے یعنی ابن عمر سے نسائی اور ابن جریر کے پاس ہے۔ اور عبدالرحمن بن قاسم کے لفظ یہ ہیں۔ کہ میں نے مالک سے کہا جو روایت سالم سے مروی ہے۔ اس غلام نے میرے باپ پر جھوٹ بولا پس مالک نے کہا میں شہادت دیتا ہوں۔ کہ زید بن رومان نے مجھکو سالم بن عبداللہ بن عمر (جو اس کا باپ ہے) سے ویسی ہی خبر دی ہے جیسی نافع نے روایت کی ہے۔ اور اس میں ہے۔ کہ حارث بن یعقوب نے سعید بن یسار سے اور اس نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا اُف۔ آیا مسلمان ایسا فعل کرتا ہے؟ پس مالک نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ ربیعہ نے مجھکو سعید بن یسار سے اور اس نے ابن عمر سے مجھکو ایسی ہی خبر دی ہے جیسی نافع نے دی ہے۔ اور دارقطنی نے اس حدیث کو عبدالرحمن بن قاسم کے طریق سے مالک سے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ یہ روایت مالک سے محفوظ اور صحیح ہے۔ انتہی)

المختصر ان روایات کے نقل کرنے سے ثابت ہو گیا۔ کہ وطی دبر کی حلیت کی روایت نافع سے ابن عمر سے۔ اسی طرح اسکے حلال ہونے کی روایت مالک بن انس سے محفوظ صحیح ثابت اور مشہور ہے پس بعض روایات جو ان کے برخلاف بطریق اہلسنت نافع اور ابن عمر اور مالک سے مروی ہیں جبکہ ان کی اسناد میں ضعف موجود ہے۔ وہ ان روایات صحیحہ مشہورہ ثابتہ اور محفوظہ سے معارضہ اور مقاومت نہیں کر سکتیں۔ اور ابوداؤد نے طریق مجاہد سے جو ابن عباسؓ سے روایت کی ہے قال ان ابن عمر وھم واللہ یغفر لہ انما کان ھذا الحی من الانصار وھم اھل قرین مع ھذا الحی من یہود وھم اھل الکتاب فکانوا یاخذون بکثیر من فعلھم وکان اھل الکتاب لا یاتون النساء الا علی حرف وذلک اسیر ما یکون امرأۃ فاخذ ذلک الانصار عنھم وکان ھذا الحی من قریش یتلذذون بنسائھم مقبلات

AsliAhleSunnet.com

ومدلجات ومستلقیات فی الفرج کہ فرمایا ہے کہ ابن عمر نے وہم کیا ہے۔ او رضداس کو بخشے۔ یہ قبیلہ انصار سے تھا۔ اور وہ لوگ یہودیوں سے جو اہل کتاب ہیں میل جول رکھتے ہیں۔ پس وہ ان کے بہت سے افعال کو اخذ کرتے تھے۔ وہ اپنی عورتوں سے پہلو پر مجامعت کرتے تھے۔ اور وہ عورت کے لئے آسان صورت ہے پس انصار نے بھی یہ طریقہ ان سے لے لیا۔ اور یہ قبیلہ قبیلہ قریش سے تھا جو اپنی عورتوں کی فرج سے آگے پیچھے سے اور لیٹ کر متلذذ ہوتے ہیں) وہ بھی اس امر کی تائید کرتی ہے کہ وطی دبر کی حلیت کا حکم جو ابن عمر سے منسوب ہے وہ صحیح ہے۔ پس نسائی نے جو ابو النضر سے روایت کی ہے۔ انہ قال لنافع انہ قد اکثر علیك القول انك تقول عن ابن عمر انہ افتی ان توتی النساء فی ادبارھن قال کذبوا علی وساحدثك کیف کان الامر قال کنا معشر قریش تحب النساء فلما دخلنا المدینۃ انکحنا نساء الانصار واردنا منھن ماکنا نرید فاذا ھن قد کرھن ذلك وکانت نساء الانصار قد اخذن بحال الیھود انما یوتین علی جنوبھن فانزل اللہ نساء کم حرث لکم (کہ اس نے نافع سے کہا۔ کہ تجھ پر اکثر لوگ اعتراض کر رہے ہیں کہ تو یہ کہتا ہے کہ ابن عمر نے عورتوں سے وطی فی الدبر کا فتویٰ دیا ہے۔ نافع نے جواب دیا کہ انھوں نے مجھ پر جھوٹ بولا میں تجھ سے اصل بات بیان کرتا ہوں ہم گروہ قریش عورتوں کو دوست رکھتے تھے پس جب ہم مدینہ میں آئے۔ تو ہم نے انصار کی عورتوں سے نکاح کیا۔ اور ان سے اپنا ارادہ پورا کرنا چاہا۔ تو انہوں نے اس طریق سے کراہت کی۔ اور انصار کی عورتوں نے یہودیوں کا سا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ کہ ان سے پہلوؤں کے بل جماع کیا جاتا تھا پس اللہ تعالیٰ نے آیہ نساء کم حرث لکم نازل فرمایا) چونکہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اور وضع کے آثار و نشانات اس میں صاف صاف نمودار ہیں پھر یہ کیونکر ان روایات صحیحہ محفوظہ مشہورہ ثابتہ کی معارض اور مقابل ہونے کی صلاحیت رکھ سکتی ہے۔ باوجودیکہ ابن عمر اس سبب و شان نزول کی روایت میں جو قصص مشہورہ سے ہے۔ متفرد نہیں ہے۔ بلکہ ابو سعید خدری وغیرہ نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔ ولم یتفرد ابن عمر بروایۃ سبب ھذا النزول فقد اخرج ابو یعلی وابن مردویہ وابن جریر والطحاوی من طریق زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابی سعید الخدری ان رجلا اصاب

AsliAhleSunnet.com

امرأة فی دبرها فانکر الناس ذلک علیه فانزل الله عزوجل هذه الایة و
وعلقه النسائی عن حسام بن سعد عن زید وهذا السبب فی نزول هذه الآیة
مشهورة وکان حدیث ابی سعید لم یبلغ ابن عباس یبلغ. حدیث ابن عمر
فوهم فیه فروی ابوداؤد من طریق مجاهد عن ابن عباس قال ان ابن
عمر وهم والله یغفر له الی اخر الحدیث المذکور ایضاً (اور ابن عمر اس آیت کے
سبب نزول کی روایت میں متفرد نہیں ہے پس ابویعلی - ابن مردویہ - ابن جریر اور طحاوی نے
طریق زید بن اسلم سے عطا بن یسار سے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے - کہ ایک شخص
نے ایک عورت سے وطی فی الدبر کی - لوگوں نے اس فعل کا اس پر انکار کیا - پس اللہ تعالیٰ
نے یہ آیت نازل فرمائی - اسکو اور نسائی نے حسام بن سعد سے زید سے روایت کی ہے
اور اس آیت کا یہ سبب نزول مشہور ہے - اور ابوسعید کی حدیث ابن عباس کو نہیں پہنچی -
اور ابن عمر کی حدیث اس کو پہنچی ہے - پس اس نے اس میں وہم کیا ہے - پس ابوداؤد نے
مجاہد کے طریق سے ابن عباس سے روایت کی ہے - کہ ابن عباسؓ نے کہا - کہ ابن عمر نے
وہم کیا ہے - اور اللہ اس کی مغفرت کرے - الخ) نیز ان روایات سے جو مذکور ہوئیں -
واضح ہو چکا ہے - کہ وطی دبر کا قول جو مالک سے منسوب ہے - صحیح اور ثابت ہے یہانتک
کہ وہ خود بھی اس امر کا ارتکاب کرتا تھا - پس متاخرین مالکیہ نے جو مالک سے اس قول کے
منسوب ہونے کا انکار کیا ہے - اور روایت ضعیف وغیر مشہور سے اس کی تائید کی ہے معتبر
اور اعتبار کے قابل نہیں ہے - اور وہ روایت یہ ہے - کہ خطیب نے طریق اسرائیل بن روح سے
مالک سے روایت کی ہے - قال سالت مالکا فقال ما انتم قوم عرب هل یکون
الحرث الا موضع الزرع (راوی کہتا ہے کہ میں نے مالک سے پوچھا - اس نے جواب دیا
کہ تم عرب کی قوم نہیں ہو؟ کھیتی زراعت کی جگہ میں ہی ہو سکتی ہے -) حالانکہ یہ قول مالک کے
اپنے قول قدیم سے رجوع کرنے پر دلالت نہیں کرتا - اسی سے اس قول کا ضعف عاقل و
صاحب خبرت پر واضح ہو جاتا ہے - جو فتح الباری میں مذکور ہے - وعلی هذه القصة
اعتمد المتاخرون من المالکیة فلعل مالکا رجع عن قوله الاول او کان
یری ان العمل علی خلاف حدیث ابن عمر فلم یعمل به وان کانت الروایة
صحیحة علی قاعدته انتهی (اور اس قصہ پر متاخرین مالکیہ نے اعتماد کیا ہے - کہ شاید

AsliAhleSunnet.com

مالک نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لی ہو یا وہ حدیث ابن عمر کے خلاف عمل کرنا مناسب سمجھتا تھا۔ پس اس نے اس پر عمل نہ کیا۔ اگرچہ وہ روایت اپنے قاعدہ کے موافق صحیح ہے، نیز فتح الباری میں منقول ہے۔ وروی الربیع فی الام عن الشافعی قال احتملت الآیۃ معنیین احدھما ان یوتی المرءۃ حیث شاء زوجہا لان انی بمعنی این شئتم واحتملت ان یراد بالحرث موضع النبات والموضع الذی یراد بہ الولد ھو الفرج دون ما سواہ قال واختلف اصحابنا فی ذلک واحسب کلام الفریقین ما دل ما وصفت من احتمال الآیۃ قال طلبنا الدلالۃ فوجدنا حدیثین احدھما ثابت وحدیث خزیمۃ بن ثابت فی التحریم یقوی عندنا التحریم وروی الحاکم فی مناقب الشافعی من طریق ابن عبد الحکیم انہ حکی عن الشافعی انہ لیس فیہ شیء یصح والقیاس انہ حلال ومن طریق ابن عبد الحکیم انہ حکی مناظرۃ مرت بینہ وبین محمد بن الحسن فی ذلک وان ابن الحسن احتج علیہ بان الحرث یکون فی الفرج فقال لہ فیکون ما سوی الفرج محرما فالزمہ فقال ارایت لو طیہا بین ساقیہا او فی اعکانہا او فی ذلک حرث قال لا قال فحرم قال لا قال فکیف یحتج بہ بما لا تقول بہ قال عبد الحکیم لعل الشافعی یقول ذلک فی القدیم واما فی الجدید فقد صرح بالتحریم انتہی ویحتمل ان الزم محمد بطریق المناظرۃ وان کان لا یقول ذلک وانما انتصر لاصحاب المدنیین انتہی ربیع نے کتاب ام میں شافعی سے روایت کی ہے۔ کہ اس نے کہا کہ اس آیت میں دو معنوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ شوہر جس طرح چاہے۔ اپنی زوجہ سے مجامعت کرے۔ اس لئے کہ انّی لفظ اینؔ (کہاں جہاں) کے معنی میں ہے۔ یعنی جہاں سے تم چاہو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے۔ کہ حرث سے مقام نبات درویدگی مراد ہے۔ اور وہ مقام جہاں بچہ پیدا ہوتا ہے۔ فرج ہے۔ نہ کوئی اور جگہ۔ شافعی کہتا ہے۔ کہ ہمارے اصحاب نے اس باب میں اختلاف کیا ہے۔ اور فریقین کے کلام میں سب سے اچھا وہ قول ہے جس کو میں نے اس آیت کے پہلے احتمال میں بیان کیا ہے۔ شافعی کہتا ہے۔ کہ ہم نے دلیل کی تلاش کی۔ پس ہم کو دو حدیثیں ملیں پہلی حدیث ثابت ہے۔ اور وہ خزیمہ بن ثابت کی حدیث ہے۔ جو تحریم کے بارے میں ہے۔ ہمارے نزدیک تحریم کو قوی کرتی ہے۔ اور حاکم نے مناقب شافعی میں ابن عبدالحکیم

AsliAhleSunnet.com

کے طریق سے روایت کی ہے کہ اس نے شافعی کی طرف سے بیان کیا۔ کہ اس میں کوئی چیز صحیح نہیں ہے۔ اور قیاس یہ ہے کہ حلال ہے۔ اور ابن عبدالحکیم کے طریق سے روایت کی ہے۔ کہ شافعی اور محمد بن حسن کے درمیان اس باب میں مناظرہ ہوا۔ اور ابن حسن نے اس پر یہ حجت کی۔ کہ حرث یعنی کھیتی فرج ہی میں متعین ہے۔ پس شافعی نے کہا۔ تو کیا فرج کے ماسوا سب حرام ہے۔ پس وہ ملزم ہو گیا۔ پھر شافعی نے اس سے کہا۔ دیکھو اگر تم عورت کی ساقین یا پیٹ کے شکنوں میں وطی کرو۔ تو کیا اس میں حرث ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ شافعی نے پوچھا۔ تو کیا حرام جانتے ہو۔ وہ بولا کہ نہیں۔ شافعی نے کہا تو پھر جس چیز کے تم قائل نہیں ہو۔ اس سے احتجاج کیوں کرتے ہو۔ عبدالحکیم کہتا ہے کہ شافعی شاید قدیم میں اس قول کا قائل ہو لیکن جدید میں اس نے تحریم کی تصریح کی ہے۔ انتہیٰ۔ اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ محمد مناظرہ میں ملزم ہو گیا ہو۔ اگرچہ اس قول کا قائل نہ ہو۔ اور صرف اپنے مدنی اصحاب کا اس سے بدلا لیا ہو) عقلمندوں پر یہ توجیہ ظاہر اور مبرہن ہے۔ الغرض اس مسئلہ میں علمائے اہلسنت کے تین قول ہیں۔ (۱) جواز اور وہ مالک اور متقدمین مالکیہ نافع۔ عبداللہ بن عمر۔ شافعی کا حسب قول قدیم اور اصحاب مدینہ کا مذہب ہے۔ (۲) تحریم (۳) توقف اور وہ بخاری اور ایک جماعت محدثین کا مذہب ہے۔ اور فتح الباری میں بیان کیا ہے۔ وذھب جماعۃ من ائمۃ الحدیث کالبخاری والذھلی والبزاز والنسائی وابی علی النیشاپوری الی انہ لا یثبت فیہ شیء انتھی (اور ائمہ حدیث مثلاً بخاری۔ ذہلی۔ بزار۔ نسائی اور ابو علی نیشاپوری کا یہ مذہب ہے کہ اس باب میں کچھ ثابت نہیں ہے) اور علمائے امامیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ (۱) جواز بکراہیت شدیدہ مغلظہ (۲) تحریم (حرام ہونا) اور جواز بلا کراہیت اور جواز بکراہیت شدیدہ میں بہت بڑا فرق ہے۔ نیز مالک کے جواز والے قول میں بہت سے متقدمین اصحاب سحنون۔ ابن سفیان مالکیہ میں سے۔ اور شافعی حسب قول قدیم۔ اور شافعیہ مدینہ۔ نافع اور ابن عمر بھی شریک ہیں۔ پس امامیہ کو خصوصیت سے تشنیع کرنا بلکہ اس مسئلہ کو اس باب میں جو خصائص امامیہ کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ مندرک محض اور بالکل بے جا و لغو ہے۔

وجہ سوم یہ کہ مصنف نے جو امامیہ پر آیہ کریمہ قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض کی مخالفت کا اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ وہ آیت اس موقع پر صادق نہیں آتی۔ بالکل بے وجہ اور بے جا ہے۔ کیونکہ علمائے امامیہ میں سے بعض تو وطی فی الدبر کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور بعض بکراہیت شدید جواز کے قائل ہیں۔ جو حرام کی مثل ہے۔ ہاں اہلسنت کے بہت سے علما اور اکابر مجتہدین مثل امام مالک۔ سحنون۔ ابن سفیان یہ جو اکابر مالکیہ سے ہیں۔ اور ایک

AsliAhleSunnat.com

قول کے موافق امام شافعی پر اور نافع پر ۔ ۔ ۔ ۔ جو عبداللہ بن عمر کے اخص خواص سے ہے۔
اور عبداللہ بن عمر پر یہ روایت نافع بموجب روایات سابقہ نہایت واضح طور پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے فاضل مصنف کو جو ان کے آثار کے تابع اور پیرو کار ہیں جواب کی فکر لازم اور متحتم ہوگی

وجہ چہارم ۔ یہ کہ مصنف نے جو اخبار ماثورہ کی مخالفت کا اعتراض امامیہ پر کیا ہے۔ وہ بالکل ساقط ہے۔ اسلئے کہ اول تو جو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ وہ ضعیف ہیں اور قابل احتجاج نہیں کیونکہ حدیث ملعون من اتی امرأتہ فی دبرھا۔ اگرچہ بعض علماء کو اسکی صحت کا توہم ہوا ہے لیکن چونکہ راوی حدیث حارث بن مجالد مجہول الحال ہے۔ اسلئے درجہ صحت سے ساقط ہے۔ شرح جامع صغیر کی ابتداء میں فرماتے ہیں۔ ملعون من اتی امراۃ فی دبرھا احمد وابو داؤد وکذا النسائی وابن ماجہ فی النکاح من طریق سھل بن ابی صالح عن الحارث بن مجلد عن ابی ھریرہ قال ابن حجر والحارث بن مجالد لیس بمشھور وقال القطان لا یعرف حالہ وقد اختلف فیہ علی سھل فادعاء المصنف بصحتہ غیر مسلم (حدیث ملعون من اتی امرأۃ فی دبرھا کو احمد۔ ابوداؤد۔ نیز نسائی اور ابن ماجہ نے باب النکاح میں طریق سہل بن ابی صالح سے حارث بن مجلد سے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ ابن حجر نے کہا ہے حارث بن مجلد مشہور نہیں ہے۔ اور قطان کا قول ہے کہ اس کا حال مشہور و معروف نہیں۔ اور اسکے باب میں سہل پر بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ پس مصنف کا اس کو صحیح کہنا غیر مسلم ہے) اور حدیث اتقوا محاش النساء بھی ضعیف ہے اور قابل احتجاج نہیں ہے۔ مناوی نے شرح جامع صغیر میں فرمایا ہے: فیہ علی بن ابی علی الھاشمی الھیثمی المدنی قال فی المیزان عن ابی حاتم والنسائی متروک وعن احمد لہ مناکیر انتھی (اس مسئلہ روایت میں علی بن ابو علی ہاشمی ہیثمی مدنی ہے۔ میزان میں ابوحاتم اور نسائی سے مروی ہے کہ وہ متروک ہے۔ اور احمد سے روایت ہے کہ وہ منکر احادیث روایت کرتا ہے) بلکہ تمام احادیث مرفوعہ اور اکثر موقوفہ جو وطی دبر سے نہی کرنے کے باب میں مروی ہیں ضعیف اور منکر ہیں۔ چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی اور ابن حجر نے جو اعاظم علمائے اہل سنت سے ہیں۔ اس امر کی تصریح فرمائی ہے۔ شیخ سیوطی تفسیر درمنثور میں ان احادیث کے ذکر کرنے کے بعد جو وطی دبر سے نہی کرنے کے باب میں بطریق اہل سنت

AsliAhleSunnet.com

دار دہوتی ہیں فرماتے ہیں۔ قال الحفاظ جمیع الاحادیث المرفوعۃ فی ھذا الباب وعددہا عشرون حدیثا کلہا ضعیفۃ لا یصح منہا شئ والموقوف فیہا صحیح وقال الحافظ ابن حجر الحدیث فی ذلک منکر لا یصح من وجہ کما صرح بہ البخاری والبزار والنسائی وغیر واحد۔ (حفاظ کا قول ہے۔ کہ اس باب میں تمام احادیث مرفوعہ جن کی تعداد بیس احادیث ہے۔ ساری کی ساری ضعیف ہیں کچھ بھی ان میں سے صحیح نہیں۔ اور موقوف بعض صحیح ہیں۔ اور حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ حدیث اس باب میں منکر ہے۔ کسی طرح سے صحیح نہیں۔ جیسا کہ بخاری۔ بزاز اور نسائی اور اکثر محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔) اور بالفرض اگر ان احادیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی امامیہ کا قول اس مسئلہ میں احادیث مذکورہ کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا کہ مکرر بیان ہو چکا ہے۔ کہ بعض علمائے امامیہ وطی دبر کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور بعض اسکو مکروہ بکراہیت شدیدہ کہتے ہیں جو حرام کے مماثل اور مشابہ ہے۔ اور نہی جو احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ بعض اس کو تحریم پر محمول کرتے ہیں۔ اور بعض کراہیت شدیدہ پر۔ حقیقت میں ان احادیث کا منافی بعض اہلسنت اور ان کے علما کا قول ہے۔ جیسے نافع جو اہلسنت کے معتبر راویوں سے ہے اور صحیح بخاری۔ صحیح مسلم اور دیگر صحاح ستہ اس کی روایات سے بھری پڑی ہیں۔ اور جیسے امام مالک۔ سحنون۔ ابن سفیان۔ امام شافعی حسب قول قدیم۔ اور اسکے تابعین وپیروکار جو بغیر کراہیت جواز کے قائل ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض تو خود بھی اپنی عورتوں سے وطی دبر کرتے تھے۔ مناوی نے فیض القدیر شرح جامع صغیر میں فرمایا ہے۔ فائدۃ قال الحافظ ابن الحجر فی اللسان فی ترجمۃ سہل بن عمار اصل وطی الحلیلۃ فی الدبر ای فعلہ روی عن ابن عمر ونافع وعن مالک من طرق عدۃ صحیحۃ بعضہا فی صحیح البخاری وفی غرائب مالک للدارقطنی (فائدہ حافظ ابن حجر نے لسان میں ترجمہ سہل بن عمار میں فرمایا ہے۔ اپنی زوجہ سے وطی دبر کرنے کی اصل روایت ابن عمر۔ نافع اور مالک سے متعدد طریقوں سے مروی ہے جن میں بعض طرق بخاری اور غرائب مالک مصنفہ دارقطنی میں صحیح ہیں)

وجہ پنجم۔ بالفرض اگر مان لیا جائے۔ کہ امامیہ اس قول کے قائل ہیں۔ تو اس کتاب میں بحث ان مسائل سے ہے۔ جو امامیہ سے مخصوص ہیں۔ اور یہ مسئلہ مسائل مشترکہ سے ہے کہ تمام مذاہب

AsliAhleSunnet.com

اور امام شافعی ایک قول کے موافق اور نافع بلکہ ابن عمر (بہ روایت نافع) بھی وطی دُبر کے جواز کے قائل اور امامیہ کے ساتھ اس قول میں شریک ہیں پس اس مسئلہ کو اس باب میں جو خصائص امامیہ کے لئے مخصوص ہے۔ درج کرنا محض لغو ہے۔

وجہ ششم یہ کہ فرج زن کی تشریح کو یہاں پر ذکر کرنا بالکل بے فائدہ اور لا حاصل ہے۔ اسلئے کہ عقلمندوں کے نزدیک مقام بول اور مقام جماع کے جدا جدا ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ جو اسکے دور کرنے کی ضرورت ہوتی۔ اور اس مناقشہ سے قطع نظر کرکے عرض کیا جاتا ہے۔ کہ مصنف نے اس پر تفریع کرکے جو تحریر فرمایا ہے "پس فرج میں جماع کی جگہ کسی وقت ناپاک نہیں ہوتی۔ سوائے ایام حیض کے۔ اور ان ایام میں جماع کرنا حرام ہے" قابل اعتراض و مقام غور ہے۔ اور انحصار یعنی یہ کہنا کہ کبھی ناپاک نہیں ہوتا سوائے ایام حیض کے۔ ممنوع اور باطل ہے کیونکہ ایام استحاضہ میں عورت کی فرج بلا شبہ نجاست سے خالی نہیں رہتی۔ اور حیض اور استحاضہ کے باہم متغائر اور جدا جدا ہونے میں شرعاً کوئی شک نہیں ہے۔ اور فریقین کی تمام کتب فقہیہ میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ شرح وقایہ میں فرمایا ہے۔ دما رات الحامل فھو استحاضۃ تراہ الحامل لیس بحیض بل ھو استحاضۃ (حاملہ عورت جو خون دیکھتی ہے وہ استحاضہ ہے۔ حاملہ کو جو خون آتا ہے۔ وہ حیض نہیں ہوتا بلکہ استحاضہ ہوتا ہے) اور ان ایام میں جماع کرنا جائز ہے شرح وقایہ میں فرماتے ہیں دم قد منع صلوتہ وصومہ وطیا انتھی (کبھی مرد کی نماز اور روزہ وطی کا مانع ہوتا ہے) پس مقام کے نجاست سے آلودہ ہونے کو مطلقاً حرمت کی علت موثرہ خیال کرنا فاسد ہے۔ اور باوجود اسکے پھر بھی یہ استدلال مصنف کے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہے۔ بلکہ مضر ہے۔ کیونکہ امام مالک نافع۔ ابن سحنون۔ ابن شعبان اور امام شافعی بقول قدیم۔ وطی فی الدبر کے جواز بلا کراہت کے قائل ہیں پس یہ تمام تشنیعات آنجناب کے ائمہ اور مشائخ کی طرف عائد ہونگی جو باوجود اباحت کے قائل ہونے کے خود بھی اس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے تھے۔ برخلاف اسکے علمائے امامیہ بعض تو اس عمل کو مطلقاً حرام جانتے ہیں۔ اور بعض بکروہ بکراہت شدید مغلظہ جانتے ہیں۔ جو حرام کے مماثل اور مشابہ ہے۔ فرقہ حقہ امامیہ اثنا عشریہ کے کسی عالم اور فاضل سے کسی کتاب اور روایت میں منقول اور مروی نہیں ہے۔ کہ اس فعل کا مرتکب ہوا ہو۔ اور قول و فرض وقوع اور فعلیت وایقاع میں بدیہی فرق ہے۔ اور حدیث ملعون من اتی امراۃ فی دبرھا میں

AsliAhleSunnet.com

جو لعنت کی تہدید ہے۔ اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے۔ لیکن تاہم وہ تہدید اس فعل شنیع کے ارتکاب اور ایقاع کے متعلق ہے۔ نہ کہ اس فعل کے بہ کراہیت شدید مغلظہ جواز کے (جو حرمت کا مماثل اور مشابہ ہے) قائل ہونے کے متعلق ہے۔ پس تشنیع کا قضیہ منقلب اور طعن کا مقدمہ منعکس ہے۔ المختصر فاضل مصنف کو جو ان مجتہدین کے آثار کے پیرو ہیں۔ لعن کو ان اشخاص کی طرف متوجہ اور متعلق کرنا لازم اور متحتم ہے۔ جو اس امر شنیع کے مرتکب ہوئے ہیں۔ زیادہ تر تعجب کا مقام یہ ہے۔ کہ باوجود ان تمام باتوں کے پردہ حیا و شرم کو رخ انور سے اٹھا کر اس مسئلہ میں امامیہ پر تشنیع کرتے ہیں۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ اذا لم تستحی فاصنع ما شئت (جب حیا جاتی رہے۔ تو پھر کیا جو چاہو سو کرو)

قول مصنف تحفہ۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ متعہ دوریہ کو جائز جانتے ہیں۔ اگرچہ زمانہ موجودہ اور اس ملک کے اثنا عشری اسکے جواز کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن ان کے محققین کا قول ہے۔ کہ ہماری کتابوں میں ثابت ہے۔ فلا یجوز انکارہ (پس اس کا انکار جائز نہیں) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک جماعت ایک عورت کے ساتھ متعہ کریں۔ اور اس میں نوبت مقرر کرلیں۔ اور ہر ایک شخص اس عورت کے ساتھ جماع کرے۔ حالانکہ کسی شریعت میں دو پانیوں کا ایک رحم میں جمع ہونا اور ملنا درست اور جائز نہیں رکھا۔ اور آدمی اور حیوانات میں مابہ الامتیاز حفظ نسب ہے۔ اسی غرض سے حفظ نسب کو ضروریات خمسہ میں داخل کیا گیا ہے جنکی حفاظت کرنیکا ہر مذہب و ملت میں حکم دیا گیا ہے۔ اولہا حفظ النفس ثم حفظ الدین ثم حفظ النسب ثم حفظ المال (اول حفظ نفس۔ دوم حفظ دین۔ سوم حفظ نسب۔ چہارم حفظ مال) اور اسی واسطے قصاص۔ جہاد۔ اقامت حدود کے لئے اور مسکرات۔ زنا۔ متعہ۔ سرقہ اور غصب کی تحریم کے باب میں پوری پوری تاکید شریعت میں آئی ہے۔ اس صورت میں اس امر ضروری کے لئے صاف جواب ہے۔ اور حیا و غیرت اور پاس ناموس کو جو تمام ملل و نحل کے اجماع سے محمود اور اس کی اضداد مذموم اور مطرود ہیں بیخ و بنیاد سے اکھاڑتا ہے۔ بلکہ اگر عاقل اصل متعہ میں غور کرے تو اس کو معلوم ہو جائے کہ اس عقد فاسد میں کسقدر مفسدے ہیں۔ جو سب شرع کے منافی اور حکم الٰہی کے مخالف اور مضاد ہیں۔ منجملہ ان کے اولاد کا ضائع کرنا اور نسل کا معنوی طور پر ہلاک کرنا ہے۔ اسلئے کہ جب اس شخص کی اولاد ہر شہر اور ہر گاؤں میں منتشر ہوئی۔ اور ان کی تربیت اور تدبیر کے لئے اس شخص کا ان کے پاس جانا ممکن نہ ہوا۔ تو وہ اولاد زنا کی طرح بے تربیت اٹھیں گے۔ اور اگر بالفرض وہ

AsliAhleSunnet.com

اولاد اناث کی قسم سے ہو۔ تو زیادہ تر رسوائی ہوگی۔ کیونکہ ان کا نکاح ان کا اور ہمسروں سے کرنا ہرگز ممکن نہیں۔ اور منجملہ ان کے ایک خرابی یہ ہوگی۔ کہ متعہ یا نکاح سے باپ اور بیٹے کی وطی کردہ عورت سے وطی کرنے کا اتفاق ہوگا۔ بلکہ بیٹی اور نواسی پوتی بھتیجی بہن اور بھانجی وغیرہ محارم سے وطی کا موقع ملیگا۔ اور بعض صورتوں میں خصوصاً جبکہ متعہ سفر میں واقع ہوا۔ اور سفر بھی دراز ہو۔ اور ہر ایک منزل میں نئے متعہ کا اتفاق پڑے۔ اور ہر متعہ میں بچہ کا نطفہ قائم ہو جائے۔ اور بعض نطفوں سے لڑکیاں پیدا ہوں۔ اور یہی شخص پندرہ سال کے بعد اس سفر سے مراجعت کرے۔ یا اس کا بیٹا یا اس کا بھائی ان منزلوں سے گزرے۔ اور ان لڑکیوں سے متعہ کرے۔ یا نکاح کرے۔ اور منجملہ ان فسادات کے ایک فساد اس شخص کی میراث کا تقسیم نہ ہونا ہے جس نے بہت سے متعہ کئے ہوں۔ کیونکہ اسکے وارثوں کا حال معلوم نہیں ہے اور نہ ان کی گنتی اور شمار کا کچھ پتہ ہے۔ اور نہ ان کا محل و مکان معلوم ہے پس ایسی صورت میں میراث کا معاملہ معطل رہیگا۔ اسی طرح جو لوگ متعہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی میراث معطل رہیگی۔ کیونکہ ان کے باپ اور بھائی نامعلوم ہیں۔ اور جب تک وارثوں کی تعداد معین اور معلوم نہ ہو میراث کی تقسیم ممکن نہیں۔ اور جب تک ورثہ کی ذکوریت و انوثیت اور ان کے حجب و حرمان کا علم نہو ایک وارث کا سہم بھی مقرر نہیں ہو سکتا۔ الغرض متعہ کو حلال کرنے میں امر شریعت خصوصاً امر نکاح اور امر میراث کی خرابی صریحاً لازم آتی ہے۔ اس مقام کی تفصیل رسالہ نوادر القلوب میں جو ایک محقق سنی کی تصنیف سے ہے۔ دیکھنی ضروری ہے اور یہ بات ام الولد کنیزوں کی تحلیل میں متعہ سے بھی بڑھکر لازم آتی ہے پس نوع انسانی میں ایک فساد عظیم برپا ہو جاتا ہے۔ اسی غرض سے حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حل وطی کے اسباب کو انہی دو میں حصر فرمایا ہے۔ یعنی (۱) نکاح صحیح ظاہر التابید (۲) ملک یمین۔ کہ ان دو عقدوں کے سبب عورت کو مرد کے ساتھ پوری پوری خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس کی نگرانی اور حمایت میں رہتی ہے۔ اور اولاد اور وراثت کی مناسب طور پر حفاظت متحقق ہو جاتی ہے۔ اور اسی مضمون کو بغرض تاکید دو سورتوں میں تکرار فرمایا ہے۔ قولہ تعالیٰ الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فی سورۃ المومنین و فی سورۃ المعارج (یعنی آیہ الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم لیکن اپنی بیویوں پر یا ملک یمین پر) کو سورہ مومنون اور سورہ معارج میں مکرر ذکر فرمایا ہے) اور اس آیت سے پہلے

AsliAhleSunnet.com

دو مقام میں آیہ فمن ابتغی وراء ذلك فاولئك هم العادون - ارشاد فرمایا ہے (یعنی جو ان کے سوا خواہش کرے ۔ پس وہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں) اور ظاہر ہے کہ زن متعہ زوجہ نہیں ہے ۔ ورنہ میراث ۔ عدہ ۔ طلاق ۔ نفقہ ۔ لباس اور دیگر لوازم وضروریات زوجیت اس میں متحقق ہوتے ۔ اور وہ ملک یمین بھی نہیں ہے ورنہ اس کا بیع ۔ ہبہ اور اعتاق جائز ہوتا ۔ اور فقہائے شیعہ نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے ۔ کہ متعہ کے سبب مرد اور عورت میں زوجیت حاصل نہیں ہوتی ۔ ابن بابویہ کی کتاب اعتقادات میں صریحاً موجود ہے ۔ کہ اسباب حِلِّ المرءة عندنا اربعة النكاح وملك اليمين والمتعة والتحليل الى آخره (عورت کے حلال ہونے کے اسباب ہمارے نزدیک چار ہیں ۔ نکاح ۔ ملک یمین ۔ متعہ ۔ تحلیل) نیز حق تعالیٰ فرماتا ہے ۔ فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملكت ايمانكم (یعنی اگر تم خوف کرو کہ تعدد منکوحات کی صورت میں تم عدل نہ کرو گے پس ایک منکوحہ پر قناعت کرو یا اپنی کنیزوں سے قضائے حاجت کر لو پس اس جگہ مقام بیان میں سکوت کرنا صریحاً حصر کا فائدہ دیتا ہے ۔ خصوصاً اس مقام میں جو ان تمام چیزوں کے ذکر کو مقتضی ہے جن میں عدل واجب ہے اور نہیں ہوتا ۔ اور متعہ اور تحلیل اس امر میں پیش قدم اور اول نمبر ہیں ۔ کیونکہ نکاح اور ملک یمین میں آخر بعض حقوق واجب ہوتے ہیں ۔ اور ان کے ترک کرنے سے ظلم متصور نہیں ہوتا ۔ برخلاف متعہ کے کہ اس میں اجرت مقررہ کے سوا اور کوئی حق واجب نہیں ہوتا اور برخلاف تحلیل کے کہ محض حلوائے بے دود ہے ۔ مالک فرج کی منت برداری کے سوا اور کچھ لازم نہیں ہوتا نیز حق تعالیٰ فرماتا ہے ومن لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنات المؤمنات فمن ما ملكت ايمانكم الى قوله ذلك لمن خشي العنت منكم وان تصبروا خير لكم (اور جو کوئی تم میں سے اتنا مالی مقدور نہ رکھتا ہو ۔ کہ پردہ دار مومنہ عورتوں سے نکاح کرے ۔ تو وہ کنیزوں سے کرے ۔ ..... یہ نکاح کنیزاں اس شخص کے لئے ہے جو تم میں سے زنا سے خوف کرے ۔ اور صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے) اور اگر متعہ یا تحلیل جائز ہوتا ۔ تو نکاح اماء یعنی کنیزوں کے نکاح میں خوف رنج اور حاجت صبر کیوں متحقق ہوتی ۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ آیہ فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضة متعہ کے حق میں نازل ہوا ہے ۔ محض غلط ہے ۔ اور عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ کی روایت محض افترا ہے خواہ اہلسنت کی تفاسیر غیر معتبرہ میں بھی نقل کریں ۔ کیونکہ نظم قرآنی کے خلاف ہے ۔ اور جو تفسیر

AsliAhleSunnet.com

کہ نظم قرآنی کے مخالف ہو۔ گو صحابی سے روایت کریں۔ تاہم وہ قابل سماعت اور لائق قبول نہیں۔ اسلئے کہ حق تعالیٰ نے اول محرمات کو بیان فرمایا ہے۔ حرمت علیکم امہاتکم الی قولہ والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم۔ پھر فرماتا ہے واحل لکم ما وراء ذلک یعنی ان محرمات کے سوا اور عورتیں تم پر حلال کردی گئیں۔ لیکن ان شرطوں سے یعنی اپنے مالوں کو مہر اور نفقہ میں خرچ کریں۔ پس ان کی فروج کی تحلیل اس شرط سے باطل ہوگئی اسلئے وہ مفت کا سودا ہے۔ پھر فرمایا۔ محصنین غیر مسافحین یعنی اس حالت میں کہ ان عورتوں کو اپنے لئے خاص کرے اور محافظت کرے کہ وہ دوسرے سے ربط پیدا نہ کریں نہ یہ کہ محض قضائے شہوت کو مدنظر رکھیں۔ اور اپنے پانی کے گرانے اور ظروف منی کو خالی کرنے کا قصد کریں پس متعہ ان شرطوں سے باطل ہوگا۔ کیونکہ متعہ میں احتیاط اور اختصاص بالکل مدنظر نہیں ہوتی۔ متعہ والی عورت کا یہی دستور ہے۔ کہ ہر مہینے ایک یار کے ساتھ۔ اور ہر سال ایک اور بغل میں۔ پھر اللہ تعالیٰ نکاح کی حلیت پر متفرع فرماتا ہے۔ فما استمتعتم بہ منہن الآیۃ یعنی جب نکاح میں مہر مقرر کیا گیا پس اگر تم دخول وطی سے متمتع ہوئے ہو پس تمام مہر تم پر لازم ہوجاتا ہے ورنہ نصف مہر۔ اور اس آیت کو اسکے ماقبل سے قطع کرنا اور ابتدائے کلام پر محمول کرنا صریحاً بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ حرف فا قطع اور ابتدا سے منع کرتا ہے۔ اور مابعد کو ماقبل سے مربوط کرتا ہے۔ اور یہ جو روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود اس آیت کو اس لفظ سے پڑھا کرتا تھا۔ فما استمتعتم بہ منہن الی اجل مسمیٰ۔ پس اول تو اس روایت کی صحت میں کلام ہے۔ کیونکہ یہ کتب معتبرہ میں نہیں پائی جاتی۔ دوسرے اگر روایت ثابت ہو جائے۔ تو قرأت منسوخہ ہوگی۔ اور قرأت منسوخہ احکام کے اثبات میں کارآمد نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ نہ تو قرآن رہا۔ اور نہ حدیث ہے۔ خصوصاً جب کہ دوسری آیات صریحاً اس قرأت شاذہ و منسوخہ کے مخالف موجود ہیں تیسرے یہ کہ اگر ہم ان سب باتوں کو فروگذاشت کردیں تو بھی یہ متعہ پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ الی اجل مسمیٰ استمتاع سے متعلق ہے نہ کہ عقد سے اور متعہ میں مدت متعین نفس عقد سے متعلق ہوتی ہے۔ نہ کہ استمتاع سے۔ پس معنی اس طرح ہوتے ہیں۔ پس اگر تم نے زنان منکوحہ سے مدت معینہ تک تمتع حاصل کیا۔ تو تم تمام مہر ادا کر دو۔ اور زیادہ تر فائدہ اس عبارت کا یہ ہے۔ کہ کوئی شخص یہ توہم نہ کرے۔ کہ تمام مہر کا وجوب نکاح کی تمام مدت گزرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ عرف میں مشہور ہے کہ ثلث

AsliAhleSunnet.com

مہر (⅓) کو معجل (فوری) کرتے ہیں۔ اور ثلثین یعنی دو تہائی کو بقائے نکاح تک موجل میعادی رکھتے ہیں۔ پس یہ تاجیل قابل تبدل و تصرف ہے۔ ورنہ حکم شرعی ہیں اگر ایک وطی کے بعد تمام مہر کا مطالبہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اور اگر الی اجل مسمی عقد کی قید ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ متعہ شیعہ کے نزدیک مدت العمر تک ابداً درست نہو۔ حالانکہ باجماع شیعہ درست ہے۔ اور اس آیت کا سیاق یعنی آیہ و من لم یستطع منکم طولا الآیہ بھی مقدمہ نکاح میں ہے۔ یعنی اگر اس قدر مال نہ رکھو۔ کہ حرائر (آزاد) کا مہر اور نفقہ ادا کر سکو۔ تو اپنے برادران دینی کی کنیزوں سے نکاح کر لو بیچ میں قطع کلام کرنا۔ اور بیچ کی عبارت کو متعہ پر حمل کرنا صریحا کلام اللہ میں تحریف کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص ان آیات کے سیاق میں غور کرے۔ تو اسکو متعہ کی حرمت صریحاً معلوم ہو جائے۔ اسلئے کہ اس آیت میں نکاح اور کنیزوں پر اکتفا فرمائی گئی ہے۔ اگر کلام سابق میں متعہ کی تحلیل کر دی ہوتی۔ تو پھر کیوں کہا جاتا کہ من لم یستطع منکم طولا (جو کوئی تم میں سے اتنا مال مقدور نہ رکھتا ہو) کیونکہ نکاح حرہ کی عدم استطاعت کی صورت میں حاجت جماع کے پورا کرنے میں متعہ کیا کم تھا۔ بلکہ بحکم کل جدید لذۃ (ہر نئی چیز میں ایک لذت ہوتی ہے) بہتر اور خوب تر تھا کنیزوں کے نکاح کو اس تقید و تشدد لگانے اور شروط و قیود کے لازم کرنے سے حلال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ الغرض یہ پانچ آیات قرآنی صریحاً تحریم متعہ پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ ایک آیت جو شیعوں کے زعم میں متعہ کی حلیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا حال معلوم ہو گیا۔ کہ حقیقت میں مقدمہ برعکس ہے۔ اور باوجود اسکے طرف شیعہ استدلال ہے۔ اور طرف مخالف طرف منع۔ اور مانع کو فقط احتمال ہی کافی ہوتا ہے چہ جائیکہ ظاہر اور متبادر بھی ہو۔ اور استدلال کو احتمال کی بو بھی باطل کر دیتی ہے چہ جائیکہ قوی اور غالب ہو۔ انتہی کلامہ

جواب باصواب مصنف نے اس مقام میں دو مسئلے ایک جگہ ذکر کئے ہیں۔ یہ حقیر بھی اس باب میں جناب والا کی تقلید کرتا ہے۔ مگر اتنی ہی کہ فاضل مشاغب کی ترتیب کو معکوس کر کے اول مسئلہ متعہ کا جواب عرض کرتا ہے۔ اسکے بعد متعہ دوریہ کے جواب کی طرف توجہ کی جائیگی۔ جو کچھ جناب افادت مآب نے بمقتضائے ہوا جس سوداویہ ظلمانیہ و وساوس شیطانیہ کا افادہ فرمایا ہے۔ وہ چند وجہوں سے باطل و مردود ہے۔

وجہ اول۔ یہ کہ اصل متعہ کے ثبوت میں امت کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے سب بالاجماع قائل ہیں۔ کہ متعہ صدر اسلام میں اور آنحضرت صلعم کے عہد کرامت عہد میں مباح

صفحہ ۲۵۲

AsliAhleSunnet.com

اور حلال تھا۔ صرف اس بات میں اختلاف ہے۔ کہ آیا نسخ اس پر طاری ہوا ہے یا نہیں اہل سنت نسخ کو ثابت کرتے ہیں۔ اور امامیہ اس کی نفی کرتے ہیں۔ اہل انصاف وصاحبان عقل وشعور پر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ امامیہ کا قول حق اور اذعان وتصدیق کا حقیق وسزاوار ہے اسلئے کہ اگر ناسخ موجود اور ثابت ہوتا۔ تو اس کا ثبوت تواتر سے معلوم ہوتا۔ یا بطریق احاد۔ اگر اس کا ثبوت تواتر سے ہوتا۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اور انکی اولاد امجاد علیہم السلام اور عبداللہ بن عباسؓ۔ عمران بن حصین۔ جابر بن عبداللہ۔ سلمہ بن اکوع۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معاویہ بن ابی سفیان۔ ابن جریج۔ سعید بن جبیر۔ مجاہد۔ عطا اور دیگر صحابہ اور تابعین کرام جو اس مسئلہ میں آنجناب علیہ السلام کی متابعت کرتے ہیں۔ ماثبت بالتواتر من دین محمدؐ کے منکر ہوں۔ (یعنی دین محمدی کی جو بات کہ تواتر سے ثابت ہوتی ہے۔ اسکے منکر ہوں) اور یہ بات اس جماعت کی تکفیر کا باعث ہے۔ حالانکہ تالی باطل ہے پس مقدم بھی ایسا ہی یعنی باطل ہو گا۔ اور اگر اس کا ثبوت بطریق احاد معلوم ہو۔ تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ جب متعہ کی اباحت یعنی اس کا مباح وجائز ہونا اجماع اور طریق تواتر سے ثابت ہوا۔ تو اس کا ثبوت بھی قطعی اور یقینی طریق پر معلوم ہو گا۔ اور اگر ہم خبر واحد سے اسکے نسخ کو جائز جانیں۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ ہم نے مظنون یعنی امر ظنی کو قطعی اور یقینی امر کا دافع بنایا ہے۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ بہت سی احادیث جو طرق عامہ سے صحیح بخاری۔ صحیح مسلم اور دیگر صحاح ستہ اور تمام کتب معتبرہ احادیث وتفاسیر میں روایت کی گئی ہیں۔ اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ نسخ طاری نہیں ہوا۔ منجملہ ان کے صحیح مسلم میں ابن مسعود سے روایت کی ہے۔ قال کنا نغزو مع رسول اللہؐ لیس معنا نساء فقلنا والا نختصی فنہانا عن ذلک ثم رخص لنا ان نستمتع فکان احدنا ینکح المرءۃ بالثوب الی اجل ثم قرا عبداللہ بن مسعود یا ایہا الذین امنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم۔ (راوی کہتا ہے۔ کہ ہم رسول اللہؐ کے ہمراہ جہاد کرتے تھے۔ اور ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں پس ہم نے عرض کی۔ کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں۔ پس حضرتؐ نے ہم کو اس فعل سے نہی فرمائی۔ پھر ہم کو متعہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ پس ہم میں سے ایک شخص کپڑے کی عوض مدت مقررہ تک نکاح کرتا تھا۔ پھر عبداللہ بن مسعود نے آیہ یا ایہا الذین ..... لکم تلاوت کیا۔ (یعنی اے ایمان والو جو طیب اور پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔ ان کو حرام

AsliAhleSunnet.com

سنت کرو) حلیت متعہ کا اختیار ہونے کے بعد عبد اللہ بن مسعود کا اس آیت کو پڑھنا صریحاً نسخ کے
لئے اس کا انکار کرنا ہے کیونکہ اسکے نسخ پر کوئی دلیل ثابت نہیں ہوئی۔ در حقیقت اسکے نسخ کرنیوالے جناب عمر فاروق
ہیں۔ احادیث معتبرہ جو بطریق اہلسنت مروی ہیں۔ اس بات کی شاہد اور اسپر ناطق ہیں۔ منجملہ ان کے کتب معتبرہ
اہل سنت میں وارد ہے۔ کہ عمر فاروق اپنی خلافت کے زمانہ میں منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا ایھا الناس
متعتان کانتا علی عہد رسول وانا انھیٰ عنہما واعاقب علیہما یعنی اے لوگو عہد رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دو متعہ ثابت اور مشروع تھے۔ اور میں ان سے نہی کرتا ہوں۔
اور ان پر عقاب وعذاب کرتا ہوں۔ اور تفسیر کبیر میں اس عبارت میں روایت کی ہے۔ روی
ان عمر قال علی المنبر متعتان کانتا مشروعین فی عہد رسول اللہ وانا
انھیٰ عنہما متعۃ الحج ومتعۃ النکاح (روایت ہے۔ کہ عمر نے منبر پر جا کر فرمایا۔ کہ رسولخدا
کے عہد میں دو متعہ مشروع تھے۔ اور میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں۔ ایک متعہ حج۔ اور
ایک متعہ نکاح) اور فاضل مصنف کے والد اور شیخ نے کتاب ازالۃ الخفاء میں اپنی سند
سے روایت کی ہے۔ احمد بن حنبل عن جابر بن عبد اللہ متعنا مع رسول
اللہ ومع ابی بکر فلما ولی عمر بن الخطاب خطب الناس فقال ان القرآن
ہو القرآن وان رسول اللہ ہو الرسول کانتا متعتان علی عہد رسول اللہ
احدیہما متعۃ الحج والاخری متعۃ النساء منعناہ لیستا (احمد بن حنبل نے
جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے۔ کہ ہم نے رسولخدا صلعم کے ہمراہ متعہ کیا۔ اور ابو بکر کے ساتھ
متعہ کیا۔ پس جب عمر بن خطاب خلیفہ ہوا۔ تو لوگوں سے خطاب کرکے فرمایا کہ قرآن وہی قرآن
ہے۔ اور رسولخدا وہی رسولخدا ہے۔ عہد رسولخدا صلعم میں دو متعہ تھے۔ ایک متعہ حج۔
دوم متعہ نساء ہم نے ان کو منع کردیا ہے۔ اور اب وہ نہیں ہیں) اگر جناب فاروق مبدع نسخ
نہ ہوتے۔ یعنی پہلے پہل منسوخ نہ کرتے۔ تو بطور معذرت یوں نہ فرماتے۔ کہ میں قرآن اور
رسول صلعم کا منکر نہیں ہوں لیکن میری رائے یہ چاہتی ہے۔ کہ یہ دونو متعہ جو رسولخدا صلعم کے زبان
سعادت نشان میں معمول اور مشروع تھے۔ آج کے بعد منسوخ اور منہی جان کر کوئی شخص انکا
مرتکب نہ ہو۔ الغرض حضرت عمر کا یہ کلام اس امر پر نص ہے۔ کہ متعہ النکاح حضرت رسالت
پناہی کے عہد کرامت مہد میں موجود اور معمول تھا۔ اور آپ کا قول انا انھیٰ (میں نہی کرتا ہوں)
اس بات پر صریحاً دلالت کرتا ہے۔ کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اس کو منسوخ نہیں فرمایا بلکہ عمر

AsliAhleSunnet.com

بن الخطاب اسکے ناسخ ہوئے۔ اور جو چیز کہ آنحضرتؐ کے زبان سعادت نشان میں ثابت مشروع اور معمول ہو۔ اور آنحضرت صلعم نے اس کو نسخ نہ فرمایا ہو۔ وہ عمر کے منسوخ کرنے سے منسوخ نہیں ہوسکتی امام رازی تفسیر کبیر میں متعہ کے جائز جاننے والوں کی طرف سے اس احتجاج کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ھذا ھو الحجۃ التی احتج بھا عمران بن الحصین حیث قال ان اللہ انزل فی المتعۃ اٰیۃ وما نسخھا بآیۃ اُخریٰ وامرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمتعۃ ما نھانا عنھا ثم قال رجل برأیہ ما شاء یرید ان عمر نھی عنھا یعنی یہ وہ حجت ہے جس سے عمران بن حصین نے احتجاج کیا۔ کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے متعہ کے باب میں ایک آیت نازل فرمائی۔ اور اس آیت کو دوسری آیت سے منسوخ نہ کیا۔ اور رسول خدا صلعم نے ہم کو متعہ کا حکم فرمایا۔ اور ہم کو اس سے نہی نہ فرمائی۔ بعد ازاں ایک مرد نے اپنی رائے اور اجتہاد سے جو چاہا کہا۔ اور قول عمران بن حصین میں مرد سے عمر فاروق مراد ہے۔ صحیح بخاری مشکوٰۃ اور کتب معتبرہ میں بھی یہ روایت کی ہے۔ انشاء اللہ عنقریب موقع مناسب پر نقل کی جائیگی۔ اور صاحبان بصیرت پر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ اجتہاد نصوص کے مقابلہ میں درجہ اعتبار سے ساقط اور ناقابل اعتبار ہے۔ اور عمران بن حصین کی مراد آیہ متعہ سے یہی آیہ کریمہ ہے۔ جس کو فاضل مشاعب نے ذکر کیا ہے۔ وہ پوری آیت یہ ہے۔ واُحل لکم ما وراء ذٰلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن اجورھن فریضۃ ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان علیماً حکیماً۔ اس آیت کا حاصل معنی یہ ہے۔ خدا نے تمہارے واسطے حلال کیا ہے۔ جو کچھ کہ ان محرمات کے سوا ہے۔ تم اپنے مالوں کے ذریعہ سے ان عورتوں کو طلب کرو جو محرمات مذکورہ کے سوا ہیں۔ اس طرح پر کہ اپنے مالوں کو ان کے سوا عورتوں کے مہروں میں یا قیمت میں صرف کرو۔ درآنحالیکہ تم اس تزویج کرنے یا کنیز کو خریدنے کے سبب عقاب خدا سے اپنی حفاظت کرنے والے ہو۔ اور زنا کرنے والے نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے مالوں کو محرمات کے سوا عورتوں کی خرید یا مہر میں صرف کرو۔ تاکہ اس کی وجہ سے اپنے آپ کو زنا سے محفوظ رکھو۔ اور عقوبت الٰہی سے رہائی پاؤ۔ پس عورتوں میں سے جس عورت سے تم نے استمتاع کیا ہے۔ یعنی فائدہ اٹھایا ہے۔ پس ان کو ان کا مہر دو۔ کیونکہ مہر استمتاع کے مقابلے میں اور حلال کرنیوالا ہے حالانکہ وہ مہر تم پر فرض اور مقرر ہیں۔ ان کے بغیر استمتاع جائز نہیں ہے۔ اور اے شوہرو اور

AsliAhleSunnet.com

اے عورتو اجس چیز پر کہ تم باہم رضامند ہو گئے ہو۔ اس میں تم پر کوئی وبال اور گناہ نہیں ہے بعد اس چیز کے کہ فرض ہو گئی ہے۔ یعنی اس مقدار مہر و مدت کے بعد جو اول میں ذکر ہو چکی ہے۔ جس چیز پر تم باہم رضامند ہو جاؤ۔ اس میں تم پر کوئی وبال و گناہ نہیں ہے۔ یہ اشارہ ہے۔ اس وقت کی طرف جبکہ مدت متعہ ختم ہو گئی ہو۔ کہ اس وقت مرد کو عورت پر کسی قسم کا حق باقی رہتا۔ اس وقت اگر مرد عورت سے کہے۔ کہ تو مدت کو زیادہ کر دے۔ میں تیرا مہر اور اجر زیادہ کر دیتا ہوں۔ عورت کو اختیار ہے۔ خواہ مدت کے بڑھانے پر رضامند ہو جائے۔ یا اس پر راضی نہ ہو۔ بیشک خدا تمھاری مصلحتوں کا دانا اور واقف ہے۔ منجملہ ان کے نکاح متعہ کا حلال کرنا ہے اور وہ تم کو اپنی جگہ میں وضع کرنے والا ہے۔ اسی مصلحت کی بنا پر متعہ کو وضع فرمایا ہے تاکہ تم زنا اور لواطہ میں نہ پڑو۔ چنانچہ بطریق خاصہ و عامہ حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے۔ کہ آنجناب علیہ السلام نے فرمایا جس کا مضمون یہ ہے۔ کہ اگر عمر متعہ کرنے سے لوگوں کو نہی نہ کرتا۔ تو شاذ و نادر ہی کوئی زنا میں مبتلا ہوتا۔ اور امام رازی نے محمد بن محمد طبری کی تفسیر سے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔ عن علی بن ابی طالب لولا ان عمر نھی عن المتعۃ مازنی الا شقی (علی بن ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ جنابؑ نے فرمایا اگر عمر متعہ سے نہی نہ کرتا۔ تو شقی کے سوا کوئی شخص بھی زنا نہ کرتا۔) اس آیہ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے جو اوپر بیان ہوا۔ اور اس آیت سے متعہ کے مباح ہونے پر دو طرح سے استدلال ہو سکتا ہے۔

طریق اول۔ یہ کہ نکاح متعہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ اسلئے کہ ابتغا باموال عام ہے خواہ اموال کے ذریعہ عورت سے طلب تمتع اور ابتغا و خواہش برخورداری بطریق تابید و دوام ہو یا بطریق توقیت و وقت معین۔ پس ان دونو قسموں میں سے ہر ایک قسم اس میں داخل ہوگی۔ اور قول خدائے متعال اُحِلَّ لکم ما وراء ذلکم (اس گروہ محرمات کے سوا باقی سب کو تم پر حلال کر دیا گیا) دونو قسم کے نکاحوں کی حلیت کا مقتضی ہے۔ اور اس کی دوسری قسم جو ابتغا بطریق توقیت ہے۔ وہی متعہ ہے۔

طریق دوم۔ یہ کہ اس آیت کریمہ میں صرف نکاح متعہ کا بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کا بیان چند وجوہ سے ہے۔

وجہ اول۔ یہ کہ متعہ مثل روزہ۔ نماز۔ حج و زکوٰۃ حقائق شرعیہ سے ہے۔ اور اصل استعمال میں حقیقت ہے۔ اسکو نکاح پر جو اصل کے خلاف ہے۔ محمول کرنا بلا ضرورت جائز نہیں ہے۔

AsliAhleSunnet.com

اور کوئی ضرورت یہاں پر پائی نہیں جاتی۔

وجہ دوم - یہ کہ آیہ کریمہ ابی بن کعب اور ابن عباس رض کی قرارت کے مطابق جیسا کہ امام رازی اور دیگر مفسرین و محدثین نے تصریح کی ہے - اور عبداللہ بن مسعود کی قرارت کے موافق اس طرح نازل ہوا ہے - فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمّی فاتوھن اجورھن اور امت نے اس قرأت میں ان قاریوں پر انکار نہیں کیا - پس درحقیقت اس قراءت کے ثبوت پر اجماع متحقق ہو گیا ہے - اور جبکہ اجماع امت سے یہ قرارت ثابت ہو گئی - تو اباحت متعہ جو ہمارا مطلوب ہے ثابت ہو گیا۔

وجہ سوم - یہ کہ اگر ہم اس آیت کو حکم نکاح پر محمول کریں - تو حکم نکاح کے بیان کا تکرار لازم آتا ہے - کیونکہ اس سورت کے شروع میں حکم نکاح کو اس طرح بیان فرماتا ہے - فانکحوا ما طاب لکم مثنی وثلاث وربٰع (پس نکاح کرو تم ان عورتوں سے جو تمہارے لئے پاک و پاکیزہ ہوں - دو دو - تین تین - چار چار) اسکے بعد فرمایا ہے - واتوا النساء صدقاتھن نحلۃ (اور عورتوں کے مہروں کو بلا کسی مطالبہ کے ادا کر دو) اور اگر اس آیت (فما استمتعتم بہ) کو نکاح متعہ پر محمول کریں - تو ان دونوں آیتوں میں سے ہر ایک آیت سے ایک نیا حکم پیدا ہوگا - پس اس آیت کو نکاح متعہ پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے۔

وجہ چہارم - یہ کہ اس آیہ کریمہ فما استمتعتم میں مہر کا دینا استمتاع کے ساتھ ہی واجب فرمایا ہے - اور استمتاع سے تلذذ اور استفلاع مراد ہے - اور نکاح میں استمتاع کے ساتھ ہی مہر کا دینا بیشک واجب نہیں ہوتا - بلکہ نکاح کرنے پر واجب ہوتا ہے - اسلئے کہ نکاح کرتے ہی نصف مہر لازم ہو جاتا ہے - اور ظاہر ہے کہ نکاح کو استمتاع نہیں کہتے - کیونکہ استمتاع کے معنی تلذذ کے ہیں - اور محض نکاح ایسا نہیں ہے۔

وجہ پنجم - یہ کہ آیت میں صرف ابتغا بہ مال مذکور ہے - پس ان سے استمتاع یعنی تلذذ حاصل کرنے کے بعد ان کے مہر دینے کا حکم فرمایا ہے - اور یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ محض ابتغا بمال سے وطی کرنا جائز ہے - اور محض ابتغا بمال ... نکاح متعہ ہی میں ہوتا ہے - لیکن نکاح مطلق میں ولی اور گواہوں کے عقد کر دینے سے حلیت حاصل ہو جاتی ہے حلیت میں ابتغا بمال کی قید نہیں ہے - پس یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے - کہ یہ آیہ نکاح متعہ سے مخصوص ہے - ان وجوہات میں سے اکثر وجوہ کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے

AsliAhleSunnet.com

صفحہ ۷۸۵

مصنف کی ایمانداری پر افسوس

اور ان پر کسی قسم کا نقض و اعتراض نہیں فرمایا - بلکہ ابوبکر رازی نے جو اعتراض طریق اول پر کیا ہے مجوزین متعہ کی طرف سے خود ہی اس کا جواب دیا ہے چنانچہ ذرا آگے چل کر نقل کیا جائیگا الغرض اس کلام کی تقریر اور ان احادیث کے نقل کرنے سے جو بعد میں مذکور ہونگی واضح ہو جاتا ہے - کہ متعہ کو جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم الٰہی سے وضع فرمایا - اور آنحضرت صلعم کے عہد کرامت میں رائج اور معمول رہا - میں حیران ہوں - کہ باوجود ادعائے اسلام بلکہ دعوئی ریاست اہل اسلام فاضل مصنف کے دل و زبان کیونکر یاری دیتے ہیں کہ جس امر کو رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے بحکم الٰہی وضع فرمایا ہو اور شارع مقدس علیہ السّلام کے زمان سعادت میں معمول اور رائج رہا ہو - اسکو عقدِ فاسد کے نام سے نامزد کرے - اور اس پر تشنیعات رکیکہ وارد کی جائیں - اور اس کی اصل شرع کا منافی اور حکم الٰہی کا مضاد بتایا جائے چونکہ متعہ کے فاسد ہونے کا قول بموجب حدیث ذیل حکم الٰہی کا منافی اور جناب رسالت پناہی کے اوامر و احکام کا مضاد ہے - اسلئے سطرود و مردود ہے - اور ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں اس حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے - حدثنا یعقوب نا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن القاسم بن محمد عن عائشۃ قالت قال النبی صلعم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد (عائشہ فرماتی ہیں - کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا - جو شخص ہمارے اس امر شریعت میں ایسی چیز احداث کرے - جو اس سے نہ ہو پس وہ مردود ہے)

مصنف کی صورت مفروضہ کا رد

وجہ دوم - یہ کہ مصنف کی صورت مفروضہ کا وقوع پذیر ہونا - اگرچہ ممکن ہے - لیکن دو وجہوں سے مردود اور باطل ہے -

پہلی وجہ - یہ کہ ہر ممکن چیز کو واقعی اور موجود جاننا مادہ مالیخولیا کی اصل ہے - جیسا کہ جناب مکرم نے اس کتاب کے بعض مقامات میں خود ہی اس کی تصریح فرمائی ہے - جناب افادت مآب کا اس بلائے بے درماں میں مبتلا ہونا آپ کے وساوس و تسویلات کا عذر خواہ ہے - تاہم متعہ کے جائز جاننے کی صورت میں ان محذورات و ممنوعات کا لازم ہونا ممنوع اور باطل ہے - کیونکہ متعہ میں عدم توقع فرزند کی شرط کرنے کی وجہ سے نطفہ کا عزل کرنا ازواج متعہ کی بلا اجازت جائز اور سب کا معمول و دستور ہے - پس شاذ و نادر ہی نطفہ قائم ہوتا ہے - اور بالفرض اگر نطفہ قائم ہو جائے - تو اس میں کسی قسم کی خرابی لازم نہیں آتی - اسلئے کہ اسی وجہ سے

AsliAhleSunnet.com

متعہ والی عورت پر عدہ رکھنا واجب ہے۔ شرائع میں فرمایا ہے۔ الخامس یجوز العزل للمتمتع ولا یقف علی اذنہا ویلحق الولد بہ لو حملت وان عزل لاحتمال سبق المنی من غیر تنبہ۔ الثامن اذا انقضی اجلہا بعد الدخول فعدتہا حیضتان (یعنی متعہ کرنے والے شخص کو نطفہ کا عزل کرنا یعنی فرج سے باہر گرانا جائز ہے۔ اور عورت کی اجازت پر موقوف نہیں۔ اور اگر حاملہ ہو جائے تو بچہ اس مرد سے متعلق ہوگا۔ اگرچہ عزل کیا گیا۔ مگر احتمال ہے۔ کہ منی بلا ارادہ داخل رحم ہوگئی ہو۔ ہشتم دخول کے بعد جب اس کی مدت ختم ہو جائے۔ تو اس کا عدہ دو حیض ہیں) شارح شرائع نے فرمایا ہے۔ بل طہران وان کانت لا تحیض وہی فی سن من تحیض فخمسۃ واربعون یوما ویعتد من الوفاۃ ولو لم یدخل بہا باربعۃ اشہر وعشرۃ ایام وبابعد الاجلین ان کانت حاملا علی الاصح انتہی۔ (بلکہ دو طہر ہیں۔ اور اگر اس کو حیض نہیں آتا اور یائسہ بھی نہیں ہے۔ تو پینتالیس روز۔ اور وفات کی حالت میں اگرچہ دخول واقع نہ ہو چار ماہ دس روز کا عدہ ہوگا۔ اور اگر وہ حاملہ ہو۔ تو صورت وفات میں دونوں مدتوں میں جو زیادہ مدت ہو اسکے موافق عدہ کیا جائیگا۔) جب کہ قیام نطفہ کا گمان ہو۔ تو ناکح کو اگر سفر درپیش ہو۔ تو یا تو عورت کو اپنے ہمراہ لے جاتا ہے۔ اور اگر وہ راضی نہ ہو۔ تو فرزند کی پیدائش تک انتظار کرتا ہے۔ ولادت کے بعد بچے کو ہمراہ لیجاتا ہے۔ یا مراجعت کے ارادہ کی صورت میں اپنے وصی کے سپرد کرتا ہے۔ جو اس کا محافظ رہے۔ اور شیر خوار بچہ کا وجہ نفقہ اس کو دیتا ہے اور مراجعت کے وقت اپنے وصی اور فرزند کے مکان سکونت کو فراموش کرنا نہایت بعید ہے۔ اور اپنی اولاد اور اقارب کو فرزند کی پیدائش اور اس کی جائے سکونت سے اطلاع دیتا ہے۔

وجہ سوم یہ کہ مصنف نے جو ہفوات ذکر فرمائی ہیں۔ بالفرض اگر وہ حق ہوں۔ تو لازم آتا ہے کہ عورت کو طلاق دینا درست نہ ہو۔ اور مذہب ہنود اور مذہب دساتیر اس مسئلہ میں برحق ہوگا حالانکہ تالی بالاجماع باطل ہے۔ پس مقدم بھی اسی طرح باطل ہوگا۔ مصنف کی مثل مفروضہ میں جو خرابی لازم آتی ہے وہ فقط افتراق زوجین یعنی شوہر اور زوجہ کی جدائی سے پیدا ہوتی ہے۔ عقد متعہ اور اشتراط مدت کو اس خرابی کے ساتھ استلزام میں کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ اگر تعیین مدت اس طرح کریں جو تمام عمر کو حاوی ہو۔ یا مدت مقررہ کے ختم ہونے پر مدت متعہ بڑھا دی جائے۔ یا تجدید متعہ کر لیا ہو۔ تو نقض مذکور وارد نہیں ہوتا۔ الغرض نقض مذکور جو مصنف نے ذکر فرمایا ہے۔ طلاق کی اباحت اور فراق کے جائز رکھنے کی صورت میں کھلم کھلا وارد ہوتا ہے۔ پس جو لوگ

AsliAhleSunnet.com

طلاق کے منکر ہیں۔ ان کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ فاضل مشاغب کی طرح جیسا کہ یہاں ذکر فرمایا ہے۔ ذرا سے تغیر کے بعد یوں کہیں۔ کہ طلاق کو جائز رکھنے کی صورت میں حیا و غیرت اور پاس ناموس کو جو باجماع ملل و نحل محمود اور اس کی اضداد مذموم اور مطرود ہیں۔ بیخ و بنیاد سے اکھاڑنا ہے۔ بلکہ اگر کوئی عقلمند اصل طلاق میں غور و تامل کرے۔ تو اسکو معلوم ہو جائے۔ کہ اس عقد میں کس قدر مفسدے ہیں۔ جو سب کے سب شرع کے منافی اور حکم الٰہی کے مخالف اور مصادم ہیں۔ منجملہ ان کے اولاد کا ضائع کرنا۔ اور نسل کا معنوی طور پر ہلاک کرنا ہے اسلئے کہ جب ایک شخص کسی شہر میں وارد ہو۔ اور طول غربت و تجرد کی وجہ سے مادہ شہوت ہیجان میں آئے اور اس کو زنا میں پڑنے کا خوف لاحق ہو۔ تو نکاح کرنا اسکے لئے مستحب اور ایک قول کے موافق واجب ہو گیا۔ اسلئے اس نے نکاح کرلیا۔ اور اتفاقاً نطفہ قائم ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد بعض اسباب کی وجہ سے اس کو طلاق دیکر دوسرے شہر میں چلا جائے۔ وہاں بھی طول غربت و تجرد اور ہیجان مادہ شہوت کی وجہ سے ویسا ہی دستور عمل میں آیا۔ اور رفتہ رفتہ اکثر شہروں میں وہی دستور العمل اختیار کرنا پڑا۔ جب اس شخص کی اولاد ہر شہر اور ہر گاؤں میں منتشر ہو گئی۔ اور اس شخص کے پاس نہ رہی۔ اور اسکو ان کی تربیت اور تدبیر کے لئے انکے پاس جانا ممکن نہ ہوا۔ اور اولاد زنا کی طرح وہ بے تربیت اُٹھے۔ اگر بالفرض وہ اولاد قسم اناث سے ہو۔ تو زیادہ تر رسوائی کی صورت ہے۔ کیونکہ ان کا نکاح اکفاء اور ہمسروں کے ساتھ ہرگز ممکن نہیں۔ اور منجملہ ان فسادات کے ایک خرابی یہ ہو گی۔ کہ زنا یا نکاح سے بیٹے کی موطوءہ (وطی کردہ شدہ) عورت سے وطی کرنے کا موقع ملیگا۔ بلکہ بیٹی۔ نواسی۔ پوتی۔ بھتیجی۔ بہن اور بھانجی وغیرہ محرمات سے وطی کرنے کا اتفاق پڑیگا۔ خصوصاً جب مطلقہ عورت اس محبت کی وجہ سے جو عورتوں کی فطرت میں قدرتاً موجود ہے حمل کو پوشیدہ کرلے وہی شخص جب پندرہ سال کے بعد اس سفر سے واپس آئے یا اس کا بیٹا یا بھائی ان منزلوں سے گزرے۔ اور ان لڑکیوں سے زنا یا نکاح کرے۔ اور منجملہ ان فسادات کے ایک فساد میراث کا تقسیم نہ ہونا ہے۔ کیونکہ متعدد شہروں میں متعدد نکاح کئے ہیں اور ان سے اولاد پیدا ہوئی ہے۔ چونکہ ان کے وارث معلوم نہیں ہیں اور نہ ان کی تعداد معلوم ہے۔ اور نہ ان کے مقامات کی خبر ہے۔ پس اس صورت میں امر میراث کا معطل رہنا لازم آتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی میراث معطل رہتی ہے جو ان صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے باپوں اور بھائیوں کا حال معلوم نہیں ہے۔ جب تک کہ وارثوں کی

AsliAhleSunnet.com

ٹھیک تعداد اور شمار معلوم نہ ہو میراث تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اور جبتک کہ وارثوں کی صفات ذکورت وانوثت اور حجب وحرمان کی نسبت معلوم نہ ہو۔ ایک وارث کا سہم بھی معین نہیں ہو سکتا۔ الغرض طلاق کو جائز جاننے کے ضمن میں امر شریعت خصوصاً امر نکاح ام میراث کی باہمی اور خرابی صریحاً لازم آتی ہے۔ اور اس کی تفصیل رسالہ مذمت طلاق میں جو ایک ہندو مشاغب کی تصنیف سے ہے۔ دیکھنی ضروری ہے۔ اور جس امر میں کہ اسقدر مفاسد موجود ہوں۔ وہ ضرور فاسد ہوگا۔

الجواب الجواب۔ نیز ابوالحسن شاذلی نے منہج الوفیہ شرح رسالہ عزیہ میں فرمایا ہے لو تزوج الرجل المسافر امرأۃ علی ان یستمتع بھا ویفارقھا اذا سافر کان نکاحھا علی ثلثۃ اوجہ ان شرط ذلک کان فاسداً وھو نکاح المتعۃ واختلف اذا فھم ذلک ولم یشرطاہ قال محمد النکاح باطل وھو متعۃ وعن مالک جوازہ والثالث یزوجھا علی ان یقضی وطرہ منھا ویترکھا ولم یشترط ذلک علیھا ولا فھمھا ولا اخبرھا بذلک فان النکاح جائز علی ما ذھب الیہ مالک وان یزوج امرأۃ علی انھا لو وافقتہ علی دینھا وجدھا بغرضہ امسکھا والا طلقھا ونوی ذلک فالنکاح جائز اتفاقاً۔ یعنی اگر ایک مسافر شخص اس طریق پر نکاح کرے کہ اس سے تمتع حاصل کرے جب سفر کرے تو اس سے جدائی اختیار کرے اور طلاق دیدے اسکے نکاح کی تین صورتیں ہیں۔ اگر اس نے شرط کی ہے۔ تو اس کا نکاح فاسد ہے۔ اور یہ نکاح متعہ ہے۔ اور دوسری صورت میں اختلاف واقع ہے۔ کہ یہ بات تھوڑی اور بات چیت وغیرہ سے مفہوم ہو۔ اور باہم شرط نہ ہوئی ہو۔ محمد نے کہا ہے۔ کہ وہ نکاح باطل ہے۔ اور متعہ ہے۔ اور مالک سے اس کا جواز مروی ہے۔ سوم یہ کہ اس نیت سے نکاح کرے۔ کہ اپنی قضائے حاجت کرکے اسکو ترک کردونگا۔ نہ تو اس عورت سے یہ شرط کی ہے۔ اور نہ اسکے نحوائے کلام سے مفہوم ہو۔ اور نہ اسکو اس بات کی خبر دے۔ پس مالک کے مذہب کے موافق یہ نکاح جائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی عورت سے اس نیت سے نکاح کرے۔ کہ اگر وہ میرے دین کے موافق ہوگی۔ تو رکھوں گا۔ ورنہ طلاق دیدوں گا۔ اور اس کی وہ نیت کیسے پس یہ نکاح بالاتفاق جائز ہے۔ جو شخص عقل و شعور سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہے اس پر صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ بعض مفروضہ صورتیں جو ذکر کی گئی ہیں بلفظہ مالک کے مذہب کے موافق ہیں۔ پس عدم اعتراض عدم ورود اعتراض کو مفید نہیں ہے۔ جیسا کہ صاحبان عقل و شعور سے مخفی نہیں ہے۔ پس یہ

AsliAhleSunnet.com

اعتراض مشترک الورود ہوا۔ الجواب الجواب یعنی جو جواب مالک کی طرف سے تجویز کیا جائے وہی امامیہ کی طرف سے تصور کر لیا جائے۔

وجہ چہارم ۔ بالفرض اس میں بہت خرابیاں ہیں۔ لیکن ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ مذہب اہلسنت اور ان کی روایات معتبرہ کے موافق اٹھارہ سال سے زیادہ متواتر اور قریباً بیس سال غیر متواتر آنحضرت علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمان سعادت نشان میں معمول رہا اور رائج تھا۔ شیخ عبد الحق دہلوی نے مدارج النبوۃ میں بھی لکھا ہے۔ نیز احادیث کی کتب معتبرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام اکثر اوقات غربت اور تجرد کے عالم میں متعہ کیا کرتے تھے۔ نیز کتب سیر و تواریخ سے بھی ثابت ہے۔ کہ یہ بزرگوار مہاجرت اور مسافرت میں بھی مبتلا رہے ہیں مصنف نے جو احتمالات صورت مفروضہ میں ذکر کئے ہیں۔ وہ ان اماجد کرام رضوان اللہ علیہم کے متعوں میں بھی جاری ہیں۔ اور اس بات کا قائل ہونا کہ صحابہ کبار ایسی قبائح اور فواحش کا ارتکاب کیا کرتے تھے ضروریات دینیہ کے مخالف اور منافی ہے۔ اور ان بزرگان دین کے حق میں ایسی سوء ظنی کرنا آئین شرع متین سے خارج ہونا ہے۔

وجہ پنجم ۔ یہ کہ بر تقدیر تنزل ان تمام امور سے اغماض اور چشم پوشی کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔ کہ یہ تمام اعتراضات درحقیقت متعہ کے وضع کرنیوالے یعنی شارع علیہ السلام کی طرف اور جناب احدیت کی جانب راجع ہوتے ہیں جسکے اذن اور حکم سے متعہ مشروع ہوا۔ اور شریعت میں داخل کیا گیا پس ایسا اعتراض کرنیوالا شخص من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ (جو شخص ہدایت کے ظاہر اور منکشف ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے) کی وعید میں داخل ہوگا۔

وجہ ششم ۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ کہ تحلیل قولہ تعالیٰ الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم سے خارج نہیں ہے۔ اسلئے کہ تحلیل یا تو نکاح جواری میں داخل ہے۔ یا تملیک کے سبب ملک یمین میں داخل ہے۔ اور بموجب تحریر مصنف علام جو فساد مفروض و متوہم اور بے غیرتی عرفی ہندی اور پاس ناموس کی مخالفت اور حمیت جاہلیت جواری اور امہات اولاد یعنی صاحب اولاد کنیزوں کے نکاح کو دوسرے شخصوں کے ساتھ جائز جاننے اور ان کی طلاق کے جائز اور روا رکھنے میں لازم آتی ہے۔ ویسی ہی تحلیل میں بھی آتی ہے۔ کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ اور امور حقیقیہ اختلاف عبارت سے مختلف نہیں ہو جاتے کہ عرفی بے غیرتی اس میں ہے۔ کہ اپنی حرم اور کنیز کو دوسرے شخص کی ہمخوابہ اور ہم آغوش کرے۔ خواہ یہ معاملہ عبارت احللت لک سے

AsliAhleSunnet.com

واقع ہو۔ یا لفظ بخشیدمش اور دادمش سے۔ اور یہ دعوی کرنا کہ اپنی کنیز اور حرم کو عبارت بخشیدمش اور دادمش سے دوسرے شخص کا ہم آغوش کرنا تو بے غیرتی نہیں ہے۔ اور لفظ احللت لک سے ایسا کرنا بے غیرتی ہے۔ یہ محض سفسطہ ہے جو ظاہر البطلان اور وجدان اور بداہت کے خلاف ہے۔ حلیت وطی کے اسباب کا نکاح میں منحصر ہونا ظاہر التایید ہے۔ اور ملک یمین اور اذن بخشش۔

وجہ ہفتم یہ کہ مصنف کا یہ دعوی کہ زن متعہ زوجہ نہیں ہے۔ باطل ہے۔ اور قابل سماعت نہیں کیونکہ امامیہ زنِ متعہ کے زوجہ ہونے پر اجماع رکھتے ہیں۔ اور اہلسنت کی روایات میں بھی زنِ متعہ پر زوجیت کا اطلاق وارد ہوا ہے۔ چنانچہ ربیع بن سرہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ قال شکونا العزوبۃ الی رسول اللہ صلعم فی حجۃ الوداع فقال استمتعوا من ھذہ النساء فابین الا ان تجعل بیننا وبینھن اجلا فتزوجت امرأۃ فمکثت عندھا تلک اللیلۃ الحدیث راوی کہتا ہے۔ کہ ہم نے حجۃ الوداع میں اپنی عزوبیت کی شکایت جناب رسولِ خدا سے کی۔ فرمایا۔ ان عورتوں سے متعہ کر لو۔ پس انھوں نے انکار کیا لیکن یہ کہ ان میں اور ہم میں کوئی مدت مقرر فرمائیں۔ پس میں نے ایک عورت سے تزویج کی۔ اور اس رات اسکے پاس رہا۔۔۔ الخ۔ پس زنِ متعہ پر انکار زوجیت کا اطلاق دائرۂ صحت سے خارج اور غلط ہے۔ اور میراث لیجانا۔ عدہ۔ طلاق۔ نفقہ۔ لباس دینا وغیرہ صفات زوجیت بحیثیت زوجہ زوجیت کے لوازمات سے نہیں ہیں۔ جو ان کے منتفی ہونے سے زوجیت کا انتفا لازم آئے۔ بلکہ یہ چیزیں ان صفات کے تابع ہیں۔ جو زوجیت کے علاوہ ہیں۔ مثلاً زوجہ کا شوہر کو ضرر نہ دینا۔ دین و آئین کی مخالفت نہ کرنا۔ اور حکم شوہر کے خلاف ورزی نہ کرنا۔ جیسا کہ قاتلہ۔ کتابیہ اور ناشزہ کی صورت میں۔ اور عدم دوام زن متعہ کی حالت میں۔ کیونکہ نفقہ نشوز و نافرمانی کی صورت میں ساقط ہو جاتا ہے۔ اور کفر و قتل۔ اور رق کے ساتھ میراث ساقط ہو جاتی ہے۔ اور مرتدہ بائن طلاق کے بغیر بائن ہو جاتی ہے۔ اور زوجہ سے دخول کرنے سے پہلے احصان ثابت نہیں ہوتا۔ اور قسمت ہمیشہ واجب نہیں بلکہ سفر میں ساقط ہو جاتی ہے۔ اور لعان حُرّ اور جاریہ کے درمیان بہت سے فقہا کے نزدیک واقع نہیں ہوتا۔ ان صورتوں میں صدق زوجیت کے باوجود ان عوارض کا منتفی ہونا ثابت ہے۔ اور مرتدہ ناشزہ میں ان میں سے اکثر امور منتفی اور ساقط ہیں۔ اور وہ عمومات دلائل کے موجود ہونے سے خاص ہوتی ہیں۔ پس یہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔ اور صاحب کشاف نے جو فرمایا ہے

AsliAhleSunnet.com